تیسری روشنی

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

نظرثانی شدہ ایڈیشن اہم اضافہ جات کے ساتھ

ابو یحییٰ

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free. www.inzaar.org ,www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: www.facebook.com/inzaartheorg

Whatsapp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from Whatsapp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

Join us on Youtube @ youtube.com/inzaar-global

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to info@inzaar.org and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD
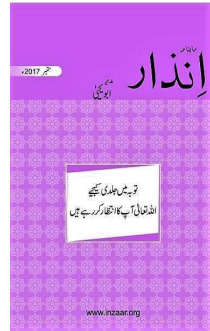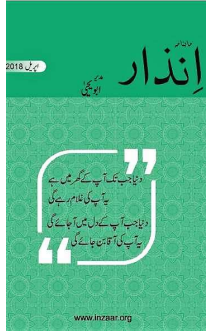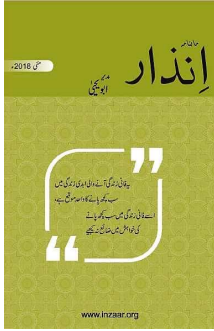
ماہنامہ انذار

مدیر: ابویحییٰ

ماہنامہ انذار ایک دعوتی و اصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان و اخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کے لیے ان نمبروں پر رابطہ کیجیے۔

0345-8206011 or 0332-3051201

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے
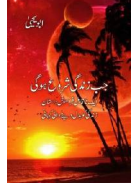
قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی
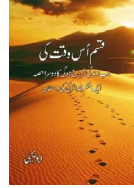
آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ
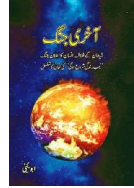
خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں
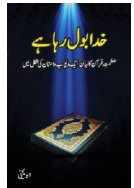
مالی تعاون

اللہ تعالیٰ کے پیغام (ایمان واخلاق، تعمیرِ شخصیت اور فلاحِ آخرت) کو پھیلانے میں انذار کا ساتھ دیجیے۔

ہمارا مالی طور پر ساتھ دینے کے لیے درج ذیل اکاؤنٹ میں عطیات جمع کرائے جا سکتے ہیں۔

For Local Transaction

Title of Account: Inzaar Educational and Charitable Trust

Address: P.O.BOX.7285 Karachi.

Bank Name: United Bank Limited

Branch Address: UBL Vault Branch, Abdullah Haroon Road, Saddar, Karachi.

Account Number: 0080248866323

Branch Code: 0080

For Foreign Transaction

IBAN: PK32 UNIL 0109 0002 4886 6323

SWIFT CODE: UNILPKKA

عطیات جمع کرنے کے بعد

0092-345-8206011 یا info@inzaar.org یا info@inzaar.pk پر ہمیں مطلع کریں تاکہ اس کی رسید آپ کو بھیجی جا سکے۔

رضاکارانہ تعاون

انذار کے لئے رضاکارانہ تعاون فراہم کرنے کے لئے براہ مہربانی ذیل میں درج ای میل ایڈریس پر ای میل بھیجیں۔ info@inzaar.org , info@inzaar.pk

تیسری روشنی

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

(**نظرثانی شدہ ایڈیشن** جس میں ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے
سے اٹھائے گئے گئے اہم سوالات کے جواب بطور ضمیمہ شامل ہیں)

ابو یحییٰ

انذار پبلیشرز

A Non-Profit Organization

www.inzaar.pk

اہل محبت کے نام

اس کتاب کا مقصد مسلمانوں میں باہمی تفرقہ ختم کر کے

محبت اور خیر خواہی کی سوچ کو جنم دینا ہے

اس کتاب کے مطالعے کے بعد اگر ایک بھی فرد کے دل سے

نفرت اور تعصب کا اندھیرا ختم ہو گیا

تو یہ میری محنت کا حاصل ہو گا

ابو یحییٰ

فہرست ابواب

بسم الله الرحمن الرحیم

دیباچہ نظرثانی شدہ ایڈیشن

پیش نظر کتاب تیسری روشنی کی اشاعت سے اصل مقصود ان رویوں کی نشان دہی کرنا تھا جو معاشرے میں فرقہ واریت اور نفرت پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ تاہم ضمنی طور پر اس میں میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے کیے جانے والے چند اعتراضات و سوالات زیر بحث آ گئے تھے۔ یہ سوالات اصل میں کہیں زیادہ بڑی تعداد میں پوچھے گئے تھے اور بار بار پوچھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب جبکہ اس کتاب کا ای ورژن باقاعدہ عام کیا جا رہا ہے، مناسب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان اہم سوالات کو ایک ضمیمے کے طور پر کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جائے جو لوگ مجھ سے بار بار دریافت کرتے ہیں تاکہ میرے اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہو جائے۔ لوگ میرے بارے میں بھی پوچھتے رہے ہیں۔ گرچہ تیسری روشنی میں میری داستان حیات کا بڑا حصہ بیان ہو چکا ہے، لیکن پوچھنے والوں کی سہولت کے لیے کافی عرصے سے میرا تعارف سائٹ پر موجود ہے۔ قارئین میں سے جن کو دلچسپی ہو وہ اسے میری ویب سائٹ www.inzaar.org پر about us میں پڑھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو شیطان اور اس کی ذریت کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلائے۔ امین۔

ابویحییٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسری روشنی

میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ اردو زبان کی تاریخ میں کسی اور کتاب کو شاید نہیں ملی ہے۔ تاہم اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے ان گنت لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بنادیا ہے۔ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ توحید اور آخرت کی بنیادی دعوت ایک زندہ حقیقت بن کر ان کے سامنے آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، آپ کے اخلاق عالیہ، آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے عطا کیے ہوئے دین پر عمل کا سچا جذبہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے گناہوں کی زندگی سے توبہ کی۔ نیکی کی راہ اختیار کی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ کی سچی محبت دلوں میں راسخ ہوگئی۔ اس سے ملاقات اور اس کی جنت کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا۔ حشر اور جہنم کی سختیوں سے بچنے کی خواہش دلوں میں گھر کرگئی۔ لوگوں میں خود قیامت کے برے انجام سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی سوچ عام ہوئی۔

یہ سب کچھ ہوا اور آج تک الحمدللہ ہو رہا ہے۔ اور اس پر اپنے مالک کا بے حد شکر گزار ہوں۔ تاہم یہ ایک فطری چیز ہے کہ جو چیز معاشرے میں غیر معمولی مقبولیت اختیار کرلے، اس پر کچھ نہ کچھ مخالفانہ ردعمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے کتاب کے خلاف اکادکا تحریریں

سامنے آنا شروع ہوئیں۔ میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب بھی کوئی منفی بات سامنے آتی ہے میں پہلے مرحلے پر پوری دیانت داری سے یہ کوشش کرتا ہوں کہ میری غلطی اگر واضح کر دی گئی ہے تو میں اس غلطی کی اصلاح کرلوں۔ کوئی بات اگر کمزور ہے تو اسے دور کر دوں۔

اپنی غلطی واضح نہیں ہوتی تو میں پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ پروردگار! اگر یہ کتاب کسی گمراہی کا سبب ہے تو سب سے پہلے میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تیری بارگارہ میں دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پھیلنے کے راستے مسدود کر دے۔ اور اگر یہ تیری مرضی اور رضا کے مطابق ہے تو اپنی خصوصی نصرت بھیج کر اس کتاب کو مزید پھیلا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ تیرے قریب آسکیں۔

الحمدللہ تادم تحریر یہ کتاب رکنے کے بجائے پھیلتی چلی جارہی ہے۔ میرے مالک کی عنایت سے انتہائی کم وقت میں یہ اردو کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن چکی ہے۔ ہر مخالفانہ تحریر کے بعد میں یہی دعا کرتا ہوں اور ہر دفعہ کتاب پہلے سے زیادہ پھیل جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایسے ایسے واقعات میرے سامنے آئے ہیں کہ دل تو چاہتا ہے کہ انہیں بیان کروں، مگر شاید اس میں خودستائی کا عنصر نہ داخل ہو جائے، اس لیے اس سے صرف نظر کر کے میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔

پچھلے دنوں بعض حضرات نے کتاب کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ ایسے میں قارئین اور احباب کی طرف سے یہ مطالبہ شدت کے ساتھ سامنے آیا کہ میں اس کا کچھ جواب لکھوں۔ میں اس طرح کی منفی چیزوں کا جواب لکھنے کو وقت کا زیاں تصور کرتا ہوں۔ جو قلم ایمان و اخلاق کی دعوت کے فروغ کے لیے وقف ہو، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ مزید یہ کہ منفی سوچ رکھنے والوں کے پاس کبھی الفاظ ختم نہیں ہوتے۔ آپ ان کی غلطی کتنی ہی واضح کر دیں وہ ہر بات کے جواب میں ایک نئی اور غیر متعلقہ بحث چھیڑ دیں گے۔ اب یا تو انسان خاموش ہو کر اپنا مثبت کام کرتا رہے یا پھر طے کرلے کہ اسے سارے کام چھوڑ کر ایسے لوگوں کو گھر تک پہنچانا ہے۔ پہلی

صورت میں منفی پروپیگنڈا پھیلتا چلا جاتا ہے اور ایمان کی دعوت کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور دوسری صورت میں انسان کے پاس اپنے اصل کام یعنی دعوت دین کو کرنے کا وقت ہی نہیں رہتا۔

اس وقت بھی صورتحال یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی تصنیف ''قرآن کا مطلوب انسان'' پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ یہ کتاب یعنی ''قرآن کا مطلوب انسان'' امت کے علمی ذخیرے میں انشاءاللہ ایک منفرد اضافہ ہوگا جس میں قرآن وحدیث کے صریح ترین الفاظ میں لوگ یہ جان لیں گے کہ وہ کیا اعمال ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہیں۔ جنت اور جہنم کا دارومدار دراصل کن چیزوں پر ہے۔ دین کی اصل ترجیحات اور اس کے بنیادی مطالبات کی نوعیت کیا ہے۔

مگر ایسے میں یہ مسئلہ شدت کے ساتھ سامنے آ گیا اور میں تذبذب کا شکار ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایسے حالات میں میں اپنے مالک کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس آقا کا میں کس منہ سے شکر ادا کروں کہ ہمیشہ کی طرح اس نے اس گناہ گار کی لاج رکھی اور ایک ایسی چیز کی طرف میری رہنمائی کر دی جو انشاءاللہ العزیز اس معاشرے سے تعصب اور فرقہ واریت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ میں ایک حقیر انسان ہوں جس کے کام کے دفاع کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ کوئی اہمیت ہے۔ البتہ یہ بات بہت اہم ہے کہ اس معاشرے سے فرقہ واریت اور گروہی تعصب ختم ہو۔ درحقیقت یہ وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کو انبیا و رسل کا بھی دشمن بنا دیتی ہیں۔ یہ ایسا مرض ہے جو اپنے مریض کو پروردگار کے غضب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس مرض کے شکار لوگ تعصب میں اندھے ہو کر وقت کے نبی کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ انہی چیزوں کی بنا پر آج بھی یہ صورتحال ہے کہ کون سا معروف عالم اور کون سا مکتبہ فکر اور مسلک نہیں جس کے بارے میں مخالف گروہ کی طرف سے کفر اور گمراہی کا فتویٰ نہیں ہے۔

ہمارے ہاں آج کفر وضلالت کے فتووں سے لے کر بے گناہ انسانوں اور علمائے کرام کے قتل جیسے

سنگین جرائم کے پیچھے بھی گروہی تعصب اور فرقہ واریت کا یہی مرض ہے۔تاہم اس مرض کے پھیلنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ یہ سارے کام کررہے ہوتے ہیں وہ اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کھڑے ہوتے ہیں۔ایک عام آدمی نیک دلی کے ساتھ ان کے پیچھے جاتا ہے اور فرقہ واریت اور تعصب کی زنجیروں سے خود کو جکڑتا چلا جاتا ہے۔وہ ایمان و اخلاق کی دنیا کے بدترین جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کوئی دینی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔اس کے پاس کوئی ایسا معیار ہی نہیں ہوتا کہ وہ جانچ سکے کہ جن کو وہ رہنما سمجھ کر ان کے پیچھے ہولیا ہے وہ کس طرح غلط ہو سکتے ہیں۔

مگر الحمدللہ پروردگار کی عنایت اور مالک کے کرم سے اس کا یہ عاجز بندہ اب تمام مسلمانوں کے سامنے ایک کسوٹی پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے جس کی مدد سے لوگ یہ جانچ سکیں گے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔کون رب کی طرف بلا رہا ہے اور کون اپنے تعصّبات کا اسیر ہے۔کون شیطان کے مشن کی تکمیل کررہا ہے اور کون انبیا علیہم السلام کا جانشین ہے۔کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پھیلا رہا ہے۔گویا ''قرآن کا مطلوب انسان'' سے قبل میں یہ واضح کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں کہ ''قرآن کا نامطلوب انسان'' کیا ہوتا ہے۔

پیش نظر تالیف میں کچھ ایسے واضح اور روشن اصول لوگوں کے سامنے رکھ رہا ہوں جن کی بنیاد پر ایک عام آدمی ہر طرح کے کنفیوژن سے بالاتر ہوکر صحیح و غلط کا فیصلہ کرسکے گا۔کتاب کے آخر میں میری بعض دیگر تحریریں شامل ہیں جو ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے سامنے آنے والے کچھ اہم سوالات کا جواب بھی دیتی ہیں اور ساتھ میں کچھ ایسے رویوں پر بھی توجہ دلاتی ہیں جو نفرت اور تعصب پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔میری ہر مسلمان سے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ایک روز اسے میدان حشر میں پیش ہوکر اپنے اعمال کا جواب اس طرح دینا ہے کہ خدا کے غضب سے بچانے کے لیے اس روز کوئی نہیں آئے گا، یہ درخواست ہے کہ وہ ایک بار اس تحریر کو اول تا آخر پوری

توجہ سے پڑھے اور جب کبھی اس کے پاس کسی بھی نقطہ نظر، مسلک، کتاب، عالم اور فرد کے خلاف نفرت پھیلانے والا مواد سامنے آئے تو وہ ان اصولوں کی روشنی میں ان کا تجزیہ کر لے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عمل اسے قیامت کی ایک بہت بڑی ذلت اور رسوائی سے محفوظ کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر امت میں اتحاد اور یکجہتی کا ذریعہ بنا دے۔ اپنی تصنیف کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدایت کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میرے دشمن یہ لوگ نہیں شیطان ملعون ہے۔ شیطان گمراہی کے اندھیروں کا پجاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حقیر غلام کو شیطان کے خلاف جنگ کے لیے چنا اور یہ عزت عطا کی کہ اس کی پچھلی دو کتابوں نے ان گنت لوگوں کو شیطانی اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی تک پہنچایا ہے۔ میری پہلی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' نے لوگوں میں ایمان اور توبہ کی منادی کی۔ دوسری کتاب ''قسم اُس وقت کی'' نے دین اسلام پر لوگوں کا اعتماد بحال کیا اور اب انشاء اللہ یہ کتاب ''تیسری روشنی'' بن کر سامنے آئے گی۔ انشاءاللہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک مخلص مسلمان فرقہ واریت، نفرت اور گروہی تعصب کے اندھیرے سے نکل کر ہدایت، محبت اور معرفت کی روشنی میں آ جائے گا۔ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہوگا اور مسلمان مل کر ہدایت کی اس روشنی سے دنیا کو منور کریں گے جو ان کے پاس ان کے محبوب پیغمبر علیہ السلام کی امانت ہے۔

باقی جو لوگ اپنے تعصّبات کی قید سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ان کے شر سے مجھے اور ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم۔ اللھم انی اعوذبك من الفتن ما ظھر منھا و ما بطن۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

فرقہ واریت اور تعصّبات کی وجوہات

جب اطمینان اضطراب میں بدل جائے

ایک عام انسان دین کو اپنے قلبی سکون کے لیے اختیار کرتا ہے۔ بے شک دین اسلام میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ اپنے قبول کرنے والوں کو سکون دیتا ہے۔ اللہ کی یاد اور پیغمبر علیہ السلام کی زندگی، سیرت اور اخلاق عالیہ میں ایسا اطمینان ہے کہ انسان زندگی کی ہر مشکل کو ہنس کر جھیل جاتا ہے۔ تاہم یہ سکون بخش دین اس وقت انسان میں زبردست اضطراب پیدا کر دیتا ہے جب مذہبی اختلافات کی داستان انسان کے سامنے آتی ہے۔ کفر کے فتوے، گمراہی کے سرٹیفیکیٹ، سازشوں کی داستانیں غرض تنازعات اور اختلافات کی دنیا انسان کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیتی ہے۔ جن شخصیات کو انسان معتبر سمجھتا ہے وہ غیر معتبر ہو جاتی ہیں۔ جس نقطہ نظر کو انسان باعث نجات سمجھتا ہے، وہ گمراہی اور ضلالت قرار پاتا ہے۔ جس راستے کو انسان نجات کا راستہ سمجھتا ہے وہ عذاب کا راستہ بن جاتا ہے۔ جس منزل کو وہ جنت کا نشان سمجھتا ہے وہ جہنم کی کھائی نظر آنے لگتی ہے۔

ایسے میں انسان کسی خاص نقطہ نظر کا اسیر ہے تو اپنے نقطہ نظر کے خلاف دو سطریں پڑھنا بھی اس کے لیے باعث اذیت ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اپنے بڑوں کی طرف سے اسے آسان ترین راستہ یہ بتایا جاتا ہے کہ صرف ہماری بات سنو۔ ہمارے علاوہ ہر شخص گمراہ ہے۔ چنانچہ انسان صرف اپنے نقطہ نظر کی باتیں سنتا اور پڑھتا ہے اور اسی میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ تاہم اس

طریقے میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انسان واقعی غلط جگہ کھڑا ہو۔ اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ بتایا جائے کہ جن باتوں کو تم حق سمجھ بیٹھے تھے، ان کا ایک حصہ بالکل غلط تھا۔ تم نے اپنے لیڈروں کی اندھی پیروی کی اور گمراہی کا راستہ اختیار کرلیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مخاطبین کی مثال

اس سلسلے کی سب سے نمایاں مثال خود حیات طیبہ میں ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں کی نظروں میں غلط ثابت کرنے کے لیے کفار نے آپ پر بدترین الزامات لگائے۔ مجنون، جادوگر، شاعر اور دیگر انتہائی گستاخانہ کلمات دن رات آپ کے بارے میں کہے جاتے تھے۔ آپ کی شخصیت، سیرت، افعال، ازدواجی زندگی اور جنگ و جہاد کے معاملات میں ہر پہلو سے کیڑے نکال کر آپ کو غیر معتبر کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ سب کچھ کفار اور منافقین کی لیڈرشپ نے کیا مگر قرآن مجید میں واضح ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے بھی قیامت میں عذاب میں ہوں گے اور جسمانی عذاب کے ساتھ اس روحانی اذیت کو بھی سہیں گے کہ انہوں نے کیوں اپنے لیڈروں کی پیروی کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کر چھوڑی ہے اور ان کے لیے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹے پلٹے جائیں گے۔ وہ کہیں گے: کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی! اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی تو انھوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔: اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بھاری لعنت کر!''، (احزاب 33:68-64)

ایک انتہائی سنگین مسئلہ

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا معاملہ کفار کا ہے جنھوں نے اپنے لیڈروں کی باتوں میں آ کر رسول کریم علیہ السلام کا انکار کیا۔ مگر کوئی سچائی کتنی چھوٹی کیوں نہ ہو اس کا انکار اپنی ذات میں ایک جرم ہے۔ مزید یہ کہ فرقہ وارانہ اختلافات میں نہ صرف دوسرے فریق کی بات سننے سے انکار کیا جاتا ہے بلکہ دوسرے نقطہ نظر کو باطل قرار دے کر فوراً کفر اور گمراہی کی ایک مہم شروع کر دی جاتی ہے۔ جبکہ صحیح روایات کے مطابق یہ ایک انتہائی خطرناک معاملہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

> ’’تم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک اس کا مستحق بن جاتا ہے۔ یا تو وہی (سننے والا) کافر ہوتا ہے جیسا کہ کہنے والا اسے کہتا ہے یا پھر (سننے والا) نہیں ہے تو پھر یہ کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔‘‘ (بخاری، رقم 5752)

یہ ظاہر ہے کہ انتہائی سنگین معاملہ ہے۔ کفر کا نتیجہ جہنم کی وہی آگ ہے جس کا ذکر اوپر قرآن کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ پھر آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ہم جانتے ہیں کہ یہ اختلاف، تعصب اور فرقہ واریت وہ آگ ہے جو ہمارے معاشرے میں نفرت، دہشت اور قتل و غارت گری پھیلا رہی ہے۔ ان کے علاوہ یہ پڑھے لکھے اور باشعور لوگوں کو دین سے دور کرنے کا سبب بن رہی ہے۔

ایک عام پڑھے لکھے غیر جانبدار شخص کا مسئلہ

اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک عام غیر جانبدار شخص جو دین کا زیادہ علم نہیں رکھتا، وہ بے چارہ کبھی دو فریقوں میں سچائی جاننے کی کوشش بھی کرے تو اس کا علم اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ وہ فنی مباحث اور علمی اختلافات کو سمجھ سکے۔ وہ جس فریق کی بات سنے گا، اسے لگے گا وہی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک عام آدمی ان چیزوں کو سمجھنے کے لیے زیادہ وقت نہیں نکال سکتا اور اگر نکالے گا تو آخر کار وہ اہل علم کے پاس ہی جائے گا۔ اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ اسے

صرف اپنے نقطہ نظر کی درستی اور دوسروں کی غلطی پر قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایسے میں یہ ضروری ہے کہ ایک عام آدمی کے سامنے کچھ ایسی موٹی موٹی چیزیں آ جائیں جن سے وہ سمجھ سکے کہ جب اہل علم ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہیں تو کس کی بات درست ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کون سے غیر جانبدارانہ اصول ہیں جو کسی شخص کے تعصب کو بھڑکائے بغیر اور اس کے نقطہ نظر کو چیلنج کیے بغیر اس کے سامنے وہ معیار رکھ سکتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ اپنے لیڈروں کے دعووں کو پرکھ سکے۔ تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب اس سے سوال کرنا شروع کریں تو وہ یہ نہ کہے کہ ہم نے اپنے لیڈروں کی پیروی کی تھی۔ جو انہوں نے کہا وہ ہم نے مان لیا۔ بلکہ وہ اپنے شعوری علم کی بنیاد پر جواب دے۔ ہم کسی طور اس جواب دہی سے روز قیامت بچ نہیں سکتے۔ ایمان لانے کی آزمائش اگر غیر مسلموں کے لیے ہے تو سچائی کو سمجھنے اور اس کا انکار نہ کرنے کی ذمہ داری ایک مسلمان کی بھی ہے۔

ذہانت

جتنی ذہانت کسی کی بات جواب دینے کے لیے ضروری ہے

اس سے کہیں زیادہ ذہانت

اس کی بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

(ابو یحییٰ)

فرقہ واریت اور گروہی تعصب کی وجوہات

ذیل میں کچھ ایسے نمایاں اصول بیان کیے جا رہے ہیں جو اس معاملے میں ایک عام آدمی کی بھرپور رہنمائی کریں گے کہ مذہبی اختلافات کی شکل میں کون سا نقطہ نظر درست ہوسکتا ہے اور کون سا غلط۔

1۔فرع اور اصل کا فرق

اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر خصوصی کرم یہ ہے کہ اس نے ختم نبوت کے بعد ہدایت کو باقی رکھنے کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ دین کی بنیادوں یعنی قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر محفوظ کر دیا ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی اور متعدد احادیث میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے۔

اس پوری فکری اور عملی دینی روایت میں کچھ اصولی اور بنیادی باتیں اور کچھ فروعی چیزیں ہیں۔ کچھ اصل اور بنیادی احکام ہیں اور کچھ ان کے حصول میں مددگار ہوتے ہیں۔ کچھ احکام مقاصد کا درجہ رکھتے ہیں اور کچھ سد ذریعہ (اصل ممانعت سے روکنے کے لیے ان ذرائع سے روکنا جو اس حرام میں مبتلا کر سکتے ہیں) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کچھ چیزیں بالکل واضح، بین اور روشن ہیں اور کچھ کو جان بوجھ کر مبہم اور غیر واضح چھوڑ دیا گیا ہے۔

گروہی تعصب اور فرقہ واریت کو پیدا کرنے والی سب سے بنیادی چیز دراصل یہی ہے کہ لوگ اصل چیزوں کو چھوڑ کر یا غیر اہم سمجھ کر فروعیات کو دعوت کا موضوع بنا لیتے ہیں۔ یہاں رک جائیے اور میرا جملہ دوبارہ پڑھیے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ فروعیات پر غور نہیں کرتے۔ میں نے یہ

لکھا ہے کہ فروعیات کو دعوت کا موضوع بنا لیتے ہیں۔فروعیات پر غور کرنے اوران کو دعوت کا موضوع بنا لینے اور خود اصول وفرع میں کیا فرق ہے اوران کی باہمی جگہ بدل دینے سے کیا ہوتا ہے میں اسے ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

آمین بالجہر کا معاملہ

نماز دین کا بنیادی حکم ہے۔اس کا مقصد قرآن مجید کے مطابق اللہ کی یاد قائم کرنا ہے۔اس کا عملی طریقہ ہم تک اس طرح پہنچا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک نسل در نسل لوگ نماز پڑھتے اور اپنے بچوں کو سکھاتے چلے آئے ہیں۔اس عملی اہتمام کے علاوہ اہل علم ہمیشہ اپنی تحریر وتقریر میں نماز پر گفتگو کر کے اس کا طریقہ واضح کرتے رہے ہیں۔اس طریقے میں یہ بات شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق قیام میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین کہی جائے،(بخاری،رقم 782۔مسلم،رقم 915)۔اس آمین کی آواز کتنی بلند ہو یہ سرتاسر ایک فروعی مسئلہ ہے۔اس لیے اس پر اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اس اختلاف سے نہ نماز باطل ہوتی ہے اور نہ اللہ کے ہاں اس کی قبولیت پر کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔اس لیے یہ بحث اگر اہل علم کے درمیان ہی رہے وہ اپنی تحریروں میں اسے موضوع بنالیں، اس پر تحقیق کریں، اپنی مجالس میں اس پر تبادلہ خیال کریں، دلائل کا تبادلہ کریں، ایک دوسرے پر اپنا نقطہ نظر واضح کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش کریں تو اس سے کوئی فساد برپا نہیں ہوگا۔

لیکن جیسے ہی یہ چیزیں منبروں کا موضوع بنیں گی، وعظ وتبلیغ کا مواد قرار پائیں گی، دعوتی تحریروں اور تقریروں میں زیر بحث آنے لگیں گی، ہدایت اور گمراہی کا معیار قرار پائیں گی، یہ معاشرے میں بدترین فساد پھیلانے کا سبب بن جائیں گی۔تھوڑے عرصے پہلے تک اس ”آمین“ کا یہی معاملہ تھا۔مجھے اپنی نوعمری کے وہ واقعات اچھی طرح یاد ہیں کہ جب ہماری مسجد میں کوئی

شخص آ کر بلند آواز سے آمین کہہ بیٹھتا تھا تو نماز کے بعد لوگ اس طرح اسے گھور گھور کر دیکھتے تھے کہ اس کا مسجد میں ٹھہرنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ مگر الحمدللہ عمرہ و حج پر بکثرت عوام کے جانے کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ اب لوگوں کو اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں۔ جس نے زور سے آمین کہنا ہے وہ کہے اور جو چاہے آہستہ کہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں میں اس آمین کو توجہ سے سنتے ہیں۔

اس بحث سے واضح یہ ہوا کہ اس امت کے اہل علم میں اصل معاملات پر کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اختلاف صرف اور صرف جزوی اور فروعی چیزوں پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل علم اپنی اپنی تحقیق کے لحاظ سے جن نتائج تک پہنچیں گے بہرحال اسے بیان کریں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ یہ ایک اچھی علمی روایت ہے۔ اسی کی بنا پر ہمارا دین ہر طرح کے حالات میں قابل عمل رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جیسے ہی یہ نتائج فکر دعوتِ دین کا عنوان بنیں گے، مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اس وقت مزید سنگین ہو جاتا ہے جب لوگ ان فروعیات کو اصل کی جگہ لے جاتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ اہم بنا دیتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ فرع میں اختلاف کرنے والا اصل میں ان کے ساتھ ہی کھڑا ہے۔ ان کے نزدیک فرع اتنی اہم ہو جاتی ہے کہ وہ اصل کے اتفاق کو بالکل بھول کر فروعی اختلاف کی بنا پر فتویٰ بازی کر دیتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ایک فرقہ اور متعصب گروہ وجود میں آ جاتا ہے۔

اکثر فرقہ وارانہ اختلافات کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ لوگ اصل کو بھول کر فرع کو اہم بنا دیتے ہیں۔ وہ تولہ کا سیر اور ذرہ کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ اہمیت کی یہ تبدیلی (Shift of Emphasis) جب ہو جاتی ہے تو غیر اہم چیز اہم بن کر دعوت کا موضوع بنتی ہے۔ لوگ فروعی چیزوں کی طرف بلاتے ہیں۔ فروع میں ہمیشہ اختلاف ہوتا ہے، مگر ایسے لوگ چونکہ فرع کو اصل بنا چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ اس اختلاف کو اصل کا اختلاف قرار دے کر کفر و گمراہی کے فتوے لگانا شروع

کرتے ہیں اور آخر کار بات ایک جدا فرقہ بننے پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

اس لیے تعصّبات اور فرقہ وارانہ اختلاف کو سمجھنے کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ اختلافات کرنے والے زیادہ تر فروعیات پر بات کرتے ہیں اور ان کو حق و باطل کر مسئلہ بنادیتے ہیں۔ جبکہ یہ رویہ سرتاسر ایک غلط رویہ ہے جو فساد اور انتشار کا باعث بنتا ہے۔

2۔ جہالت اور جذباتیت

فرقہ واریت اور گروہی تعصّبات کو پھیلانے کا دوسرا اہم اور بنیادی سبب جذباتیت اور جہالت ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ فروعی معاملات میں اہل علم میں ان کی تحقیق کے لحاظ سے اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔ مگر محقق اہل علم کی حد تک یہ اختلاف صرف علمی اختلاف رہتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ محقق علما بالعموم یہ جانتے ہیں کہ گرچہ انہوں نے ایک رائے قائم کی ہے مگر اس معاملے میں دوسروں کی مختلف آراء بھی موجود ہیں۔ نیز وہ دین کی اصل اور فرع کا فرق بالعموم اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

بدقسمتی سے بڑے اہل علم کے رخصت ہونے کے بعد ان کی جگہ کچھ ایسے لوگ سنبھالتے ہیں جن کا علم و تحقیق سے کچھ زیادہ واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ اسلاف کا نام تو لیتے ہیں، مگر شاذ ہی کبھی اسلاف کی کتابیں انہوں نے پڑھی ہوتی ہیں۔ یہ علم کی بات تو کرتے ہیں مگر مسلمانوں کی شاندار علمی روایت کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ان کا کل سرمایہ علم اپنے مسلک، اپنے گروہ، اپنی تنظیم اور اپنی جماعت کا لٹریچر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا لٹریچر اپنے نقطہ نظر کو درست ثابت کرنے کے لیے لکھا گیا ہوتا ہے، یہ کبھی سلف و خلف کے تمام علم اور تمام اہل علم کی آراء اور ان کے دلائل کا بیان نہیں ہوتا۔ اس لٹریچر میں اگر کبھی دوسروں کی بات نقل ہوتی ہے تو صرف اس لیے کہ اس پر تنقید کر کے اسے غلط ثابت کیا جاسکے۔ ورنہ اپنی بات اور اپنے نقطہ نظر کو اس میں آخری حق بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ چیز ان لوگوں میں اپنے نقطہ نظر کے حوالے سے ایک خاص قسم کی جذباتیت پیدا کر دیتی ہے۔ بلکہ ہوتا بھی یہی ہے کہ اس نقطہ نظر کو قبول کرنے والے پہلے مرحلے پر ایسے ہی جذباتی رجحان رکھتے ہیں۔ چنانچہ جہالت اور جذباتیت ملتے ہیں اور فرقہ واریت کو عروج پر پہنچا دیتے ہیں۔ دوسروں کے خلاف مہم جوئی شروع ہو جاتی ہے۔ فتویٰ بازی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اپنے ناقص علم اور بودی دلیلوں کو آخری سچ کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں یہ ناقص علم اور بودی دلیلیں ختم ہو جائیں وہاں جھوٹ بولنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ یوں عوام الناس ایسے کم علم لوگوں کے فریب میں آ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اِنھوں نے تو قلم توڑ دیا ہے۔ تاہم ایسے سطحی علم کے لوگ اپنی جہالت سے اتنے ناواقف نہیں ہوتے۔ انھیں پتہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی صاحب علم ان کی جہالت کا پردہ چاک کر کے ان کی حقیقت دنیا کو دکھا سکتا ہے۔ پھر ان کے معتقدین ان سے وہ سوالات کریں گے جن کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہوگا۔ اس لیے وہ پیروکاروں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ کبھی کسی گمراہ آدمی کی بات نہیں سننا۔ کوئی کتاب کہیں اور سے ملے تو کسی ثقہ عالم (اس سے مراد وہ خود ہی ہوتے ہیں) سے تصدیق کروا کر پڑھنا۔ بلکہ اس کی ضرورت کیا ہے، بس ہماری ہی کتابیں پڑھو اور ہماری تقریریں سنا کرو۔ یہی سامان ہدایت ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے کہ یہ تلقین کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے لوگوں کو کرتے تھے کہ معاذ اللہ اس مجنون جادوگر کی بات نہ سنو، گمراہ ہو جاؤ گے۔

اس گفتگو کو ایک سچے واقعے پر ختم کر رہا ہوں۔ یہ واقعہ میرے جاننے والے دو بزرگوں کا ہے۔ دونوں معروف اور بڑے عالم ہیں اس لیے ان کا نام نہیں لکھ رہا۔ لیکن امید ہے کہ قارئین اسے پڑھ کر تھوڑا سا مسکرائیں گے ضرور۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بڑے صاحب علم سے وابستہ ایک نوجوان جب کسی دوسرے بڑے عالم کی کتابیں پڑھنے لگے تو انھوں نے اس نوجوان کو

سمجھایا کہ تم اس شخص کی کتابیں نہ پڑھو۔نوجوان نے پوچھا کہ کیوں نہ پڑھوں۔جواب ملا تم ابھی چھوٹے ہو گمراہ ہو جاؤ گے۔نوجوان حاضر جواب تھا۔فوراً جواب دیا۔جی میں آپ کے پاس آیا تھا تو اس سے بھی چھوٹا تھا......

خلاصہ یہ کہ تعصب اور فرقہ واریت پھیلانے والے لوگ یا تو کم علم ہوتے ہیں یا جذبات کے مارے ہوتے ہیں۔صاحبان علم اور جذبات پر قابو رکھنے والے اہل علم ہمیشہ ایسی چیزوں سے دور رہتے ہیں۔

3۔غیر علانیہ نبوت

غیر علانیہ نبوت کیا ہوتی ہے، اسے جاننے کے لیے نبوت کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ نبوت اس بات کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان کا انتخاب کر کے اس پر وحی اتارتے ہیں اور اسے اپنا نمائندہ بنا کر دنیا کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔پھر وہ خود نہیں بولتا بلکہ اس کی زبان حق ترجمان سے عالم کا پروردگار کلام فرماتا ہے۔اسی لیے اس کے کلام میں یقین ہوتا ہے، ادعا ہوتا ہے، اعتماد ہوتا ہے۔وہ لوگوں تک حق پہنچاتا ہی نہیں ان کے حق و باطل پر ہونے کا فیصلہ بھی سنا دیتا ہے۔وہ ایک دنیوی چیز کو دین بتاتا ہے تو وہ چیز عین دین بن جاتی ہے۔وہ ایک عین دینی عمل کو غیر مطلوب قرار دیدیتا ہے تو وہ دین کے دائرہ سے نکل جاتی ہے۔دین میں اس کی اطاعت لازمی ہے۔اس کا عمل حجت ہے۔اس کی بات حتمی ہے۔اس کی رائے قطعی ہے۔وہ ماننے والے کو حق سمجھاتا نہیں اسے منواتا بھی ہے۔اس کا راستہ سچائی کو پانے کا واحد راستہ ہوتا ہے۔اس کے سوا ہر راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔نبی سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔اس کا انکار کفر ہوتا ہے۔اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔اس کا حکم آخری ہوتا ہے۔یہ صرف اس کا حق ہوتا ہے اور اسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے کفر، ضلالت اور گمراہی کا کھل کر اعلان کر دے۔اس راہ میں وہ

کسی کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی کا خوف کھاتا ہے۔

نبی یہ سب کرتا ہے اور اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اسے یہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ مقام اور منصب کبھی بھی، کسی صورت میں اور کسی قیمت پر کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر ختم نبوت کے بعد اس کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اب ہر شخص ایک طالب علم ہے۔ وہ دین سیکھے گا اور سمجھائے گا۔ وہ حق سمجھے گا اور پہنچائے گا۔ مگر اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اس کے خلاف رائے دی جاسکتی ہے۔ اس کے راستے کے سوا دوسرا راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا رویہ: اپنے ناقص علم کی بنیاد پر دوسروں کا فیصلہ

بدقسمتی سے ہمارے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ نبی نہیں ہیں۔ وہ خود کو جو بھی سمجھیں مگر بہرحال عام انسان ہیں۔ وہ حق و باطل کا فیصلہ نہیں سنا سکتے۔ وہ دوسروں کے کفر و ضلالت کا فیصلہ نہیں سنا سکتے۔ اس لیے کہ نبی کی طرح انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عصمت اور کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ان کی رائے غلط ہوسکتی ہے۔ ان کا فہم باطل ہوسکتا ہے۔ ان کی تحقیق غیر مستند ہوسکتی ہے۔ ان کا اجتہاد خطا ہوسکتا ہے۔ ان کی فکر حالات اور زمانے سے متاثر ہوسکتی ہے۔ ان کی سوچ خواہشات و تعصّبات کی اسیر ہوسکتی ہے۔ ان کے جذبات ان کی عقل پر غالب آسکتے ہیں۔ انہیں یہ حق ہے کہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اپنی بات لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ مگر اسے دین بتانے کے بجائے اپنی رائے کے طور پر پیش کریں۔ نبی کی طرح اسے حق بنا کر پیش نہ کریں۔ انہیں یہ حق ہے کہ جس چیز کو غلط سمجھتے ہیں اسے غلط کہیں۔ مگر ساتھ میں دلیل دیں اور اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہیں کہ امکانی طور پر ان کی اپنی بات ہی غلط ہوسکتی ہے۔

پھر سب سے اہم بات جو یاد رکھنی چاہیے کہ اختلاف کرنے کا جو کچھ ان کا حق ہے وہ آراء کے بارے میں ہوسکتا ہے۔ کسی فرد کے بارے میں وہ کوئی رائے نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ

جس شخص کی غلطی انہوں نے دریافت کی ہے، وہ ممکن ہے کہ اخلاص کے ساتھ اس نتیجہ فکر تک پہنچا ہو۔ایسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ قیامت کے دن کسی معاملے میں حکم لگانے والا (اگر علم اور اخلاص کے ساتھ یہ کام کرے) تو غلطی کی صورت میں بھی اپنے اخلاص کی بنا پر ایک اجر کا حقدار ہوگا، (بخاری، رقم 7352 مسلم، رقم 1716)۔ایسے کسی شخص کے متعلق مہم جوئی کرنا، اس کے کفر وضلالت کے فتوے دینا، اس کی علمی آراء کی بنیاد پر اسے غیر ملکی ایجنٹ ثابت کرنا اس کے ایمان پر براہ راست حملہ ہے اور اس کی سزا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان کی ہے کہ جو کفر کا الزام لگائے گا وہ یا تو سچا ہے یا پھر خود اپنا ایمان کھو دیتا ہے:

''حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے کوئی ایک اس (کفر کے الزام) کا مستحق بن جاتا ہے۔''، (بخاری، رقم 5752-5753، مسلم، رقم 60)

اس کا سبب بالکل سادہ ہے۔ وہ یہ کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی نیت نہیں جان سکتا۔ وہ اس کا دل چیر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کے ذہن کے اندر نہیں اتر سکتا۔سب سے بڑھ کر کسی دوسرے کے متعلق رائے قائم کرنے والا خود غلط ہوسکتا ہے۔ وہ نبی نہیں۔ اس پر فرشتے نہیں اترتے۔وحی نہیں آتی۔ اسے خدائی تحفظ حاصل نہیں۔ اس لیے یہ اس کا حق ہی نہیں کہ کسی دوسرے فرد کے متعلق کوئی رائے قائم کرے۔رائے ہمیشہ دوسرے کی رائے کے بارے میں دی جاتی ہے۔اس سے آگے بڑھ کر اس کی شخصیت، آخرت، ایمان اور نیت کے بارے میں کوئی فیصلہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں یہ سب ہوتا ہے اور یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا علم ایک خاص نقطہ نظر سے منسلک ہونے کی بنا پر بالعموم اپنے نقطہ نظر تک محدود ہوتا ہے۔ وہ بے

چارے ساری زندگی صرف اپنا نقطہ نظر پڑھتے اور سنتے ہیں۔ انہیں اپنے علماء، اپنے لٹریچر، اپنے گروپ اور اپنے فرقے کے علاوہ کسی اور کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ اسی محدود علم، خاص دائرے، متعصّبانہ سوچ اور جذبات سے بھرپور کیفیت میں دوسرے کے حق و باطل، صحیح و غلط اور حتیٰ کے کفر وایمان کا فیصلہ کرنے لگتے ہیں۔ کاش یہ لوگ جانتے کہ اس جرم کی سزا کتنی بھیانک ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے دائرے میں بند رہتے ہیں اور پورے یقین سے اپنے پیروکاروں کو بتاتے ہیں کہ ہم آخری سچ بیان کررہے ہیں اور ہماری فکر سے اختلاف کسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ پھر وہ آگے بڑھتے ہیں اور اختلاف کرنے والے کے کفر اور پھر اس کے قتل کا فتویٰ دینے لگتے ہیں۔ یوں خدا کی دھرتی ان کے تعصّبات کے سبب ظلم اور فساد سے بھر جاتی ہے اور معصوم لوگوں کی جان مال آبرو برباد ہونے لگتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

عام لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ انسان جب تک انسان ہے اور سوچ رہا ہے وہ اختلاف کرے گا۔ تمام اختلافات کا حتمی فیصلہ صرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کرنے کے مجاز ہیں۔ انسان جب تک دنیا میں ہیں تحقیق کریں گے۔ تخلیق کریں گے۔ رائے قائم کریں گے۔ اس پر نظر ثانی کریں گے۔ یہ صرف نبی ہوتا ہے جو نہ تحقیق کرتا ہے نہ تفکر کرتا اور نہ ذاتی تعصّبات کی بنا پر کوئی رائے قائم کرتا ہے۔ وہ اللہ سے پا کر فیصلہ سناتا ہے۔ کوئی اور یہ کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ غیر علانیہ نبوت کرے گا۔ وہ جھوٹی نبوت کرے گا۔ جھوٹی نبوت ہمیشہ فرقہ واریت، تعصب اور فساد پیدا کرتی ہے۔ جبکہ سچی نبوت جواب صرف خاتم الانبیا والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے، ہمیشہ امن، احترام، صلاح اور خیر پیدا کرے گی۔

اس نبوت کا فیصلہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یوں بیان

فرمایا:

’’تمہارے (مسلمانوں کے) خون، اموال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں، اس دن (عرفہ)، اس شہر (ذوالحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کی مانند۔ کیا میں نے تم تک بات پہنچادی؟ صحابہ نے (بیک آواز) عرض کیا: جی ہاں۔‘‘

اسی موقع پر آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

’’دیکھو! میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔‘‘

مزید ارشاد فرمایا:

’’مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔‘‘

’’مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔‘‘

’’جس نے ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘

’’تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۔ اسے کیا معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے اسے (ہتھیار کو) گرادے (یا چلادے) تو (مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے) وہ جہنم کے ایک گڑھے میں جا گرے۔‘‘

’’جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک تو قاتل ہے (اس لیے جہنم میں جائے گا) لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: اس لیے کہ اس نے اپنے (مسلمان) ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔‘‘

’’تم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک اس کا

مستحق بن جاتا ہے۔ یا تو وہی (سننے والا) کافر ہوتا ہے جیسا کہ کہنے والا اسے کہتا ہے یا پھر (سننے والا) نہیں ہے تو پھر یہ کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔''

ہم نے یہ ساری روایات صحیح بخاری سے لی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ لوگوں کا اختلاف ذاتی نوعیت کا ہو یا مذہبی نوعیت کا اسے کسی صورت جان، مال، آبرو اور ایمان و نیت کی طرف نہیں جانا چاہیے۔

یہی وہ اصول ہے جس پر ایک عام آدمی بآسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ مذہبی اختلافات میں غلط رویہ کیا ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی اختلافی مسئلہ سامنے آئے ہمیشہ یہ دیکھیے کہ کہنے والا کس جگہ کھڑا ہے۔ کیا اس نے اپنی رائے کو آخری سچ کے طور پر پیش کیا ہے یا وہ محض اسے ایک رائے سمجھ کر بیان کررہا ہے۔ وہ اپنی رائے بیان کررہا ہے تو اس میں غلطی کا امکان ہوسکتا ہے۔ اور اگر اپنی اس ناقص رائے کو حق سمجھ کر اس کی بنیاد پر دوسروں کے خلاف کفر کے فتوے دے رہا ہے تو وہ غیر علانیہ نبوت کررہا ہے۔ یہ جھوٹی نبوت ہے۔ یہ کرنے والے اور اس کو ماننے والے دونوں قیامت کے دن ماخوذ ہوں گے۔

4۔ منافقین اور مستشرقین کا طریقہ

رویے اور سوچ کی اگلی خرابی جو فرقہ واریت اور تعصّبات کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن منافقین مدینہ اور مستشرقین کے طریقے کی پیروی ہے۔ منافقین مدینہ کا طریقہ کیا تھا اسے سمجھنا ہے تو واقعہ افک کی مثال سے سمجھئے۔ ایک جہاد (غزوہ بنی مصطلق) سے واپسی پر ہماری ماں سیدہ عائشہؓ کسی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئیں۔ ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل سلمیؓ جو لشکر کی روانگی کے بعد نگرانی پر معمور تھے وہاں سے گزرے تو آپ کو دیکھ کر صورتحال کا اندازہ کرلیا اور خاموشی سے اپنا اونٹ آپ کو پیش کردیا۔ آپ اونٹ پر سوار ہوئیں

اور یہ دونوں اس طرح لشکر سے جا ملے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر تھیں اور وہ رسی پکڑے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ منافقین نے یہ دیکھا اور ان دونوں پر بہتان لگا کر ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا۔ منافقین نے اتنی زبردست پروپیگنڈہ مہم چلائی کہ اچھے اچھے لوگ جن میں حضرت حسان بن ثابتؓ جیسے صحابی رسول بھی شامل ہیں، اس کا شکار ہو گئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے خود ام المومنین کی براءت قرآن مجید میں نازل کر کے اس فتنے کا خاتمہ فرمایا۔

اس واقعے سے جو طریقہ واردات ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ ایسا سامنے آئے جس کی مثبت تاویل کرنا ممکن ہو اور جیسا کہ اس معاملے میں کی جا سکتی تھی کہ نبی کی اہلیہ جن سے وہ سب سے بڑھ کر راضی ہوں ایسا کام کیسے کر سکتی تھیں اور نبی کا ایک جانثار اپنے آقا کی عزت پر ڈاکہ ڈال کر کیسے صاحب ایمان رہ سکتا تھا اور یہ کرنے کے بعد پورے اعتماد سے دونوں ایک ساتھ علانیہ لشکر میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں جبکہ ایسے کام ہمیشہ چھپ کر کیے جاتے ہیں۔ ایسے تمام مثبت امکانات کو چھوڑ کر منفی ترین امکان کو لیا جائے چاہے وہ کتنا ہی بعید ہو اور اسے حقیقت بنا کر پیش کر دیا جائے۔ لوگوں کی نیت، ایمان اور آبرو پر حملہ کیا جائے۔ حسن ظن کو بالائے طاق رکھ کر بدگمانی سے معاملے کا آغاز کیا جائے۔ موقع محل، سیرت و شخصیت، عرف و شہرت سب کو نظر انداز کر کے بدترین بہتان کو بھی با آسانی لگا دیا جائے۔

اس طریقہ واردات کو اگر نقطہ عروج پر کسی نے پہنچایا ہے تو وہ مستشرقین کا گروہ ہے۔ مستشرقین ان مغربی اہل علم کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم اور مشرقی تہذیب کے ماہر ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی ایک بڑی تعداد کا موضوع اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام کی شخصیت رہی ہے۔ اس میں سے بھی زیادہ تر لوگوں کا کام یہ رہا ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شخصیت پر ہر ممکنہ حملے کر کے اسے لوگوں کی نگاہوں میں غیر معتبر بنانے کی کوشش کریں۔

دوربین اور خوردبین

ان مستشرقین کے طریقہ واردات کے بارے میں سب سے خوبصورت تبصرہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے یوں کیا ہے کہ یہ لوگ خوردبین سے دیکھتے اور دوسرے کو دوربین سے دکھاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کا مطمع نظر اسلام اور پیغمبر اسلام میں صرف خامیاں ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اٹھاتے اور دوسروں کو یہ چیزیں بہت بڑی اور اہم بنا کر دکھاتے ہیں۔

اس کی ایک بڑی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 25 سال تک کی عمر، مکہ کے شہر میں جہاں زنا کرنا کوئی مسئلہ تھا نہ کوئی جرم، انتہائی پاکدامنی کے ساتھ گزاری۔ پھر ایک شریف اور باعزت خاتون حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو عمر میں بڑی تھیں اور بڑی وفاداری اور محبت سے ان کے ساتھ پچیس سال گزارے۔ پھر یہ سب عرب کے اس قبائلی نظام میں رہ کر کیا جہاں دوسری شادی کوئی مسئلہ تھی نہ اس میں کوئی رکاوٹ حائل تھی۔ چالیس سال کی عمر میں پیغمبر بننے کے بعد آپ کی حیثیت اتنی غیر معمولی ہو چکی تھی کہ ایک اشارے پر ماننے والے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے نکاح کے لیے حاضر تھے۔ مگر آپ نے پوری جوانی نکال دی اور سیدہ کی وفات تک کوئی اور شادی نہ کی۔ ان سارے حقائق کو نظر انداز کر کے مستشرقین محض شادیوں کی تعداد کو بنیاد بنا کر ایسی فتنہ انگیزی کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کو تو چھوڑیے خود مسلمانوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔

یہی فتنہ پردازی سیدہ عائشہؓ سے شادی اور سیدہ زینبؓ کے نکاح کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ اس معاملے میں جو غلاظت ان کے قلم اور زبان سے نکلتی ہے اسے ایک مومن کا قلم نقل کرنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا۔ یہی معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے حوالے سے

کیا جاتا ہے۔ مثلاً بنوقریظہ کو جنگ خندق کے موقع پر بدعہدی اور دشمنوں سے ساز باز کے جرم میں یہ سزا دی گئی کہ ان کے تمام مردوں کو قتل اور تمام عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنالیا گیا۔ یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں تھا بلکہ ان کے حلیف حضرت سعد بن معاذؓ کا تھا جنہوں نے یہودیوں کی اپنی شریعت یعنی تورات کے قانون کے مطابق یہ فیصلہ کیا تھا۔ مگر اس واقعے کے موقع محل اور پس منظر کو الگ کر کے مستشرقین اس کو خوب اچھالتے اور نبی رحمت کے متعلق ایسا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔

یہ ہم نے ایک دو نمایاں مثالیں دی ہیں وگرنہ ان لوگوں نے اس طریقہ واردات کو استعمال کر کے اتنا مکروہ پروپیگنڈہ پھیلایا ہے اور ایسی مہم جوئی کی ہے کہ حد نہیں۔

متعصب لوگوں کا طریقہ

منافقین اور مستشرقین یہود کا یہی وہ طریقہ واردات ہے جو فرقہ واریت اور گروہی تعصب پھیلانے والے لوگ اختیار کرتے ہیں۔ بظاہر یہ اللہ اور رسول کا نام لیتے اور حمیت دین کے نام پر کھڑے ہوتے ہیں، مگر ان کا طریقہ ٹھیک یہی ہوتا ہے۔ کسی عالم کی پوری زندگی اور شخصیت کو نظر انداز کر کے اس کی تحریر کا ایک جز لیا، سیاق وسباق سے کاٹا اور کفر کا فتویٰ ایجاد کر دیا۔ اپنے نقطہ نظر اور مفروضوں کو حق کا معیار سمجھا اور سامنے والے کی بات کو عین باطل قرار دے دیا۔ جھوٹ اور دروغ گوئی کا سہارا لیا اور کسی بھی فرد، گروہ اور کتاب کے خلاف ایسی بھرپور مہم چلائی کہ لوگ اس کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھنے پر مجبور ہو جائیں۔ کسی بات یا واقعے کو لیا موقع محل اور پس منظر کو چھپا لیا اور اپنے مخاطب اور ماننے والے کو یہ باور کرا دیا کہ یہ بات کرنے والا گمراہ ہے اور گمراہی پھیلا رہا ہے۔

یہ طریقہ واردات سیاق وسباق، موقع محل اور پس منظر کو نظر انداز کرنے اور علمی خیانت کے دیگر

طریقوں ہی سے عبارت نہیں بلکہ الزام، بہتان، جھوٹ، دروغ گوئی، دھوکہ دہی، تجسس، بدگمانی اور دین وایمان اور نیت پر براہ راست حملوں جیسے شدید ترین ایمانی اور اخلاقی جرائم پر مشتمل ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کی نیت اور مقصد اگر دین کی حفاظت ہوتا تو کبھی یہ ممکن نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمہ دینی اور اخلاقی حدود کو پامال کرکے دین کا دفاع کرتے۔ ان لوگوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ یہ خدا کے دین کی بات کرتے ہیں مگر دین ہی کی بنیادی حدود کو پامال کرتے ہیں۔ یہ نبی کا نام لیتے ہیں مگر نبی کے طریقے اور ہدایات کو بھول جاتے ہیں۔ یہ عشق رسول کا دم بھرتے ہیں، مگر اخلاق رسول سے آخری درجہ میں عاری ہوتے ہیں۔ یہ عدل اجتماعی کا نعرہ لگاتے ہیں، مگر قلم ہاتھ میں لے کر عدل نہیں کرتے۔ یہ دن رات دوسروں کو درس قرآن دیتے ہیں اور قرآن کی یہ بنیادی ہدایت بھول جاتے ہیں کہ کسی قوم کی دشمنی تمھیں ناانصافی پر آمادہ نہ کردے۔ اس لیے ہمیشہ عدل کرو، (مائدہ 8:5)۔ یہ اپنے بنائے ہوئے آئینے میں دوسروں کی تصویر دیکھتے اور دکھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا آئینہ حقیقت کے بجائے ان کے تعصّبات اور جذبات کا اسیر ہوسکتا ہے۔ یہ مذہبی سیادت کے منصب پر فائز ہوکر اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کی پرسش دوسروں سے زیادہ ہوگی۔ یہ نہیں سوچتے کہ جو دھیلے کے امین نہیں پروردگار انھیں زمین کا خزانہ کیسے دے سکتا ہے۔ جو قلم ہاتھ میں لے کر عدل نہ کرسکے ان کے ہاتھ میں زمین کا اقتدار کیسے دیا جاسکتا ہے۔

بدقسمتی سے مستشرقین کا یہ طریقہ قول سدید (احزاب 33:70)، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کرو) اور ہر حال میں عدل، (مائدہ 8:5) کے قرآنی احکام کی خلاف ورزی ہے مگر آج سب سے بڑھ کر مسلمان ہی اس طریقے کے علمبردار ہوچکے ہیں اور پروپیگنڈہ کی ایسی مہمیں چلاتے ہیں کہ یہودیوں کو بھی شرم آجائے۔

5۔ غیر روایتی کام کی مخالفت

فرقہ واریت اور گروہی تعصّبات کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنے سامنے کسی ایسے عالم یا محقق کو دیکھتے ہیں جس کا کام انتہائی غیر معمولی مگر غیر روایتی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بار ہا ایک ایسے نئے کام کا آغاز کرتے اور ایک ایسا نیا طریقہ اختیار کرتے ہیں جو معاصرین کے وہم و خیال سے بلند ہوتا ہے۔ یہ غیر روایتی، مختلف اور منفرد چیز خود تعصّبات کو بھڑکا دیتی ہے۔ ایسے اہل علم کے متعلق میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک اقتباس یہاں نقل کر رہا ہوں جو انھوں نے علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھا تھا۔ اسے پڑھیں اور دیکھیں کہ مولانا نے کس خوبی سے اُس مخالفت کی وجوہات کا تجزیہ کیا ہے جس کا سامنا ابن تیمیہ کو اس دور کی روایات سے ہٹنے کی بنا پر کرنا پڑا۔ یہ وجوہات کسی فکر، فلسفہ اور نقطہ نظر کے مخالفین کی مخالفت کو سمجھنے کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ان کو سمجھنے کے بعد فرقہ واریت اور مذہبی اختلافات کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

میں یہاں یہ بتاتا چلوں کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ان بزرگوں میں سے ہیں جنھیں عالم عرب و عجم میں بہت عزت اور احترام کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ ان کی علمی حیثیت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں جو پانچ سات بزرگ عالم اسلام میں چوٹی کے علما شمار کیے جاتے تھے مولانا ان میں سے ایک تھے۔ مولانا سے ذاتی طور پر مجھے بڑی عقیدت اور محبت ہے اور میں نے ان سے علمی طور پر بہت استفادہ کیا ہے۔ اب ذرا مولانا کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے جو ذرا طویل ہے، مگر زبان و بیان کے اعتبار سے کمال کی چیز ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا اقتباس

''ان غیر معمولی علمی و ذہنی کمالات اور مسلّم اخلاص و تدیّن کے ساتھ ایک سلیم الطبع انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان (ابن تیمیہ) کے معاصرین اور بعض متأخرین نے کیوں

اس شدت سے ان کی مخالفت کی، اور ان کی ذات ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کیوں موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے؟ ایسے جامع کمالات کے انسان کی عظمت وقبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہیے! یہ سوال حق بجانب ہے، اور اس کا مستحق ہے کہ ان کی سیرت اور ان کی معاصر تاریخ کی روشنی میں سنجیدگی سے اس کا جواب دیا جائے۔

ا۔ اولاً تو یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کی ذات کے بارے میں شروع سے دو فریق بنے ہوئے ہیں، اور ان میں حریفانہ کشمکش جاری ہے، تاریخ میں جو شخصیتیں بہت ممتاز، غیر معمولی اور خارق عادت کمالات کی حامل ہیں، ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہی طرزِ عمل رہا ہے کہ ایک گروہ ان کے معتقدین کا بن گیا ہے، جو ان کی تعریف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے، دوسرا گروہ ناقدین ومخالفین کا ہے، جو ان کی تنقید بلکہ تنقیص میں انتہا پسند اور غالی نظر آتا ہے، عظیم الشان اور غیر معمولی شخصیتوں کے بارے میں تاریخ کا یہ ایک ایسا مسلسل اور متواتر تجربہ ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ اور نفسیات ''عظمت وعبقریت'' کے مبصرین نے اس کو قاعدہ کلیہ اور شرط عظمت وعبقریت قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن تیمیہ کی ذات میں ان کے معاصرین کے لیے سب سے بڑا ابتلاء اور امتحان یہ تھا کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی وعلمی سطح سے بلند تھے، اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خداداد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اس کی تازگیٔ فکر، بلندیٔ نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اس کے آفاقِ علم وفکر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور وہ ان کے معین ومحدود اصطلاحات اور مدرسی حدود میں مقید نہیں رہ سکتا، وہ علم ونظر کی

آزاد فضاؤں اور قرآن وحدیث کے بلند اور وسیع آفاق میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، ان کا مبلغ علم متقدمین اور اہلِ درس کی کتابوں کا سمجھ لینا ہوتا ہے، وہ واضح علوم اور بہت سے فنون کا مجتہد ومجدد ہوتا ہے، غرض مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اس کے اور اس کے مخلص معاصرین کے درمیان ایسی کشمکش پیدا کر دیتا ہے کہ یہ گتھی کبھی سلجھتی نہیں، اور وہ کبھی اپنے معاصرین کو مطمئن نہیں کر سکتا، ہر زمانہ کے صاحبِ کمال اور مجتہد الفن علما نے اس کی شکایت کی ہے کہ ان کی تحقیقات اور علوم و مضامین ان کے زمانہ کی علمی ونصابی سطح سے بلند اور ان اہلِ علم کی دسترس سے باہر ہیں، جن کی پروازِ فکر متداول کتابوں سے آگے نہیں، اور یہی بہت سے اہلِ علم کی مخالفت کا سبب اور محرک ہے۔

۳۔ مخالفین کا ایک گروہ اس بنا پر مخالف تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت وعلم، اپنی شخصیت کی دلآویزی اور بلندی کی وجہ سے عوام وخواص میں مقبول اور حکومت کے اشخاص پر حاوی ہوتے جارہے ہیں، اور ان کے علم وتقریر کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا، وہ جہاں رہتے ہیں، سب پر چھا جاتے ہیں، درس دیتے ہیں تو درس کی دوسری محفلیں بے رونق ہو جاتی ہیں، تقریر کرتے ہیں تو علم کا دریا امنڈتا نظر آتا ہے، ذہبی نے اس معنی خیز فقرہ میں دلوں کی چھپی ہوئی بات کو آشکارا کر دیا ہے:

غیر انه یغترف من بحر و غیره من الائمة یغترفون من السواقی۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو سمندر سے پانی لیتے ہیں، اور دوسرے اکابر علما چھوٹی چھوٹی نہروں اور نالیوں سے پانی لیتے ہیں۔''

ہر زمانہ کے علما بہرحال بشر تھے، اور انسانوں ہی کا دل ودماغ اور انسانی احساسات رکھتے تھے، اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بہت سے لوگوں کے لیے ان کی مخالفت کا موجب یہی احساس کمتری اور انسانی طبیعت کی قدیم کمزوری تھی، جس سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، امام

ابوحنیفہؒ سے شدید اختلاف وعناد رکھنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے یہ شعر لکھا ہے جو ہر زمانہ پر صادق ہے:

حسدو الفتی اذ لم ینالو لو اسعیه فالناس اعداء له و خصوم

۴۔ بہت سے معاصرین کی مخالفت کا ایک قدرتی سبب شیخ الاسلام کی ایک مزاجی خصوصیت بھی تھی، جو بہت سے ان اہلِ کمال میں ہوتی ہے جو غیر معمولی طور پر ذہین، وسیع النظر اور کثیر المعلومات ہوتے ہیں، یعنی طبیعت کی تیزی اور ذکاوتِ حس، جو بعض اوقات ان کو اپنے بعض حریفوں کی سخت تنقید اور ان کے جہل اور غباوت اور قلتِ علم کے اظہار پر آمادہ کر دیتی ہے، اور شدتِ تأثر میں ان کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ان کے اہلِ علم معاصرین اور ان کے معتقدین وتلامذہ کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے، اور ان کے دل میں مستقل نفرت وعناد کے بیج پڑ جاتے ہیں، جو علمی وفقہی اصطلاحات، کفر وضلال کے فتوے اور مسلسل مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۵۔ مخالفت کا ایک سبب ان کی بعض وہ تحقیقات اور ترجیحات ہیں، جن میں وہ متفرد اور مذاہب مشہورہ اور ائمہ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں، جن لوگوں کی فقہ وخلاف کی تاریخ اور ائمہ ومجتہدین کے اقوال ومسائل پر وسیع نظر ہے ان کے لیے تو یہ "تفردات" کوئی وحشت کی چیز اور ابن تیمیہ کے فضل و کمال کے انکار کا موجب نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر ائمہ مشہورین اور اولیاے مقبولین کے تفردات اور مسائلِ غریبہ جمع کر دیے جائیں تو یہ تفردات بہت ہلکے اور معمولی نظر آنے لگیں، اور ان لوگوں کا حسنِ اعتقاد جو "تفرد" کو مقبولیت اور حقانیت کے منافی سمجھتے ہیں، اور ان کے لیے عظمت وولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی قول اور کوئی تحقیق مشہور تحقیقات کے خلاف نہ ہو، متزلزل میں پڑ جائے گا۔

۶۔ ان کی مخالفت کا ایک قوی سبب یہ تھا کہ انھوں نے اس طرز کلام اور صفات ومتشابہات کی

تاویل کے اس طریقہ کی مخالفت کی جو "عقیدہ اشعریہ" بلکہ عقیدۂ اہل سنت کے نام سے موسوم تھا ......اس وقت تمام عالمِ اسلام پر اشعری العقیدہ علما و متکلمین کا اثر تھا، امام ابن تیمیہؒ کا یہ اختلاف جو خالص علمی بنیادوں پر تھا، ایک بدعت اور "يتبع غير سبيل المؤمنين" کا مترادف سمجھا گیا۔......

۷۔ مخالفت کا ایک سبب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مخالفت ہے، بہت سے لوگوں کے نزدیک خصوصاً جو تصوف کا مذاق رکھتے ہیں، ابن تیمیہ کا یہ جرم نا قابلِ معافی ہے، اور ان کے تمام محاسن و کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے کہ انھوں نے شیخِ اکبر کے مشہور آراء و تحقیقات اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کی پرزور تردید کی ہے، اور وہ ان کے مخالفین میں سے ہیں۔......

۸۔ ایک گروہ کو ان کی طرف سے شدید غلط فہمیاں اور مغالطے تھے۔ بعض غیر محتاط و متعصب مصنفین نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی، جو عام عقیدۂ اہلِ سنت اور جمہور کے مسلک کے مطابق موجبِ کفر ہیں، اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کیے گئے جن سے مقامِ رسالت میں سوءِ ادب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ (اعاذنا اللہ و جمیع المسلمین منہ) یہ معاملہ تنہا ابن تیمیہ کے ساتھ نہیں کیا گیا، دوسرے اکابر امت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں، ان کی طرف نہ صرف ان اقوال و عقائد کی نسبت کی گئی، جن سے وہ بالکل بری تھے، بلکہ ان کی کتابوں میں ایسے مضامین شامل کیے گئے جو موجبِ کفر و ضلال تھے، ایک قدم اس سے بڑھ کر مستقل کتابیں (جو کفریہ اقوال پر مشتمل تھیں) تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی گئیں، اور ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی۔" (تاریخِ دعوت و عزیمت، جلد دوم 158-147)

6۔ اسلاف کا طریقہ

یہ گفتگو اب خاتمہ پر ہے، مگر ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر یہ بیان کر دیا جائے کہ اختلافات کے معاملے میں اسلاف کا رویہ کیا تھا۔ ہمارے ہاں اسلاف کا نام بہت لیا جاتا ہے۔

بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ کسی اختلافی مسئلے میں دوسروں کو مطعون کرنے کے لیے اسلاف سے اختلاف ہی کے نام کو استعمال کیا جاتا ہے۔مگر اختلاف رائے پیش آنے کی صورت میں خود اسلاف کا رویہ کیا تھا، یہ کم ہی بیان کیا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلے کی سب سے پہلی اور بنیادی بات اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ اسلاف اپنے کسی کام کو حرف آخر نہیں کہا کرتے تھے۔نہ انھوں نے کبھی لوگوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ دلیل کی بنیاد پر ان سے اختلاف نہ کریں۔اس کو سادہ ترین مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ ہوتا تو امام ابوحنیفہؒ کے بعد فقہ میں کوئی کام نہیں ہوسکتا نہ امام بخاریؒ کے بعد حدیث کی کوئی کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔امام ابوحنیفہ کے بعد اگر کوئی کام ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ ان دیگر ائمہ فقہ کا ہے جو ان سے قدرے مختلف اصول رکھتے تھے۔یہی معاملہ علم حدیث کا ہے جہاں دیگر محدثین کا زاویہ نظر اور قبولیت حدیث کا معیار امام بخاری سے مختلف تھا۔ یہ اختلاف نہ ہوتا تو حدیث اور فقہ کا ہمارا ذخیرہ بہت محدود ہوتا۔ یہی معاملہ دیگر علوم کا ہے۔مگر اس اختلاف کی برکت سے ہمارا علم وسیع ہوگیا۔

ائمہ فن میں اس اختلاف کا سادہ سبب یہ تھا کہ یہ اپنے کام کو ایک علمی کام سمجھتے تھے،کبھی حق قرار نہیں دیتے تھے۔اس معاملے میں امام شافعی کے اس قول کو حرف آخر کی حیثیت حاصل ہے:

رای صواب یحتمل الخطاو رای غیری خطا یحتمل الصواب

یعنی میری رائے درست ہے گرچہ غلطی کا امکان رکھتی ہے اور دوسرے شخص کی بات غلط ہے گرچہ اس کے درست ہونے کا احتمال ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ بعض اوقات مسئلہ صحیح اور غلط کا ہوتا ہی نہیں۔ایک ہی معاملے کو دیکھنے کے ایک سے زیادہ زاویے ہوسکتے ہیں۔بعض اوقات معروضی حالات کی بنا پر

ایک بات زیادہ درست ہوسکتی ہے اور دوسرے حالات میں دوسری رائے زیادہ قابل عمل ہوجاتی ہے۔بعض اوقات تحقیق،علم اور استعداد؛ نتائج فکر میں فرق پیدا کر دیتے ہیں۔بعض اوقات اہل علم کا مزاج اور افتادطبع بھی رائے کے فرق کا سبب بن جاتا ہے۔غرض فہم اور تحقیق کی صلاحیت، ذوق اورطبیعت، زاویہ نظر وفکر،علم و استعداد اور خارجی حالات مل کر رائے کے اختلاف کا سبب بن جاتے ہیں۔شاگرد استاد سے اختلاف کر دیتا ہے اور اگلے والے پچھلے والوں کے برعکس ایک رائے قائم کر لیتے ہیں۔

ہمارے اسلاف ان ساری چیزوں کو سمجھتے تھے اور اسی بنیاد پر دوسروں سے اختلاف کرتے اور دوسروں کواختلاف کرنے کی اجازت دیتے تھے۔بڑے صاحبان علم نے اس میں کبھی توحش اور پریشانی کی بات نہیں سمجھی۔کیونکہ یہ سارا اختلاف فروع میں ہورہا ہوتا ہے اصول میں نہیں۔ اس میں ابتدائی صدیوں کی بھی کوئی قید نہیں۔امام ابن تیمیہ کی مثال اوپر گزری ہے جو قرون اولیٰ کے بہت بعد پیدا ہونے والے بہت بڑے عالم ہیں۔جیسا کہ مولانا ندوی نے اوپر فرمایا کہ انہوں بہت سے معاملات میں اگلوں سے اختلاف کیا اور بڑے ائمہ کے برعکس اپنی ایک منفرد رائے قائم کی۔اورآج بھی ان کی آراء کو ماننے والے بھی کم نہیں ہیں۔

چنانچہ آج بھی جتنے مسائل ہیں وہ دراصل اسلاف کے اس اصول کو چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے جس کے تحت ہمارے ائمہ اور اسلاف نہ صرف اختلاف کرنے کی اجازت دیتے رہے بلکہ اپنی غلطی کا امکان بھی ہمیشہ تسلیم کرتے رہے۔جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا:

رای صواب یحتمل الخطاورای غیری خطا یحتمل الصواب

''یعنی میری رائے درست ہے گرچہ غلطی کا امکان رکھتی ہے اور دوسرے شخص کی بات غلط ہے گرچہ اس کے درست ہونے کا احتمال ہے۔''

7۔جھوٹے پروپیگنڈے کو بلا تحقیق پھیلانا

ان تمام وجوہات کے ساتھ کچھ اور اخلاقی کمزوریاں بھی اس گروہی تعصب اور فرقہ واریت میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ الزام و بہتان تراشنے والا کوئی ایک شخص ہوتا ہے، مگر باقی لوگ کارِثواب سمجھ کر اس کو پھیلانے لگتے ہیں۔اوپر واقعہ افک کی جو تفصیلات بیان ہوئیں ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہؓ کی جو براءت سورہ نور (24) آیت 11 تا 18 میں نازل کی اس میں تمام کمزوریوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی گئی جو معاشرے میں الزام و بہتان کی سوچ عام کرتی ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں۔

1) مسلمانوں کو ایک دوسرے کے متعلق نیک ہی گمان کرنے چاہیے۔ کیونکہ الزام و بہتان کی کسی مہم میں ایک طرف مہم جوئی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس مہم کا نشانہ بننے والا شخص۔ ایسے میں عام لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہمیشہ حسن ظن سے کام لیں۔ وہ ایسی کسی بات کو سنتے ہی کہہ دیں کہ یہ بہتان ہے اور ہمیں حق نہیں کہ ہم ایسی کوئی بات زبان پر لائیں۔اس کے برعکس بغیر علم و تحقیق کے اس بات کو آگے پھیلانا، خود ایک منفی رائے قائم کرنا، دوسروں کی رائے سازی کرنا ایک بہت بڑی بات اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔حدیث مبارکہ میں اس عمل کو جھوٹ کہا گیا ہے۔ارشاد نبوی ہے:

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرنے لگے۔''

یہ روایت امام مسلم اپنے صحیح کے مقدمے میں لائے ہیں اور دیگر محدثین مثلاً امام البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔(صحیح الجامع ، حدیث رقم 4482)۔اسی مفہوم کی ایک صحیح روایت یہ ہے کہ کسی شخص کے گنہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرنے لگے۔(السلسلة الصحيحة :2025)۔

2) سیدہؓ کے معاملے میں بہتان تو زنا کا لگایا گیا تھا، مگر تردید کرتے وقت قرآن مجید نے زنا

کا لفظ استعمال ہی نہیں کیا۔اس کا ایک سبب یہ ہے کہ قرآن مجید الزام و بہتان کے اس رویے پر تنقید کو صرف زنا کے الزام کی حد تک محدود نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس کے پیش نظر یہ بات ہے کہ کسی مسلمان پر اگر کسی اور پہلو سے بھی کوئی سنگین الزام لگایا جائے، جیسا کہ مذہبی اختلافات میں آج کل مسلمانوں کی نیت اور ان کے ایمان پر براہ راست حملے کر کے انہیں کافر اور گمراہ قرار دیا جاتا ہے، اس رویے کی بھی حوصلہ شکنی کی جائے۔ کسی کی عزت پر حملہ کرنا بڑا سنگین جرم ہے، مگر اس کے ایمان اور نیت کو ہدف بنانا اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین جرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے اس چیز کو سمجھا اور اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں اس مفہوم کی متعدد روایات ہمیں ملتی ہیں جس میں واضح کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا خود اپنے کفر کا سبب بن جاتا ہے۔

3) جو لوگ اس وقت الزام لگا رہے تھے ان سے کہا گیا کہ وہ چار گواہ لے کر آئیں۔ یہ بات عقل عام سے سمجھی جا سکتی ہے کہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے چار لوگوں کے سامنے نہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس بنا پر قرآن کا مذاق بھی اڑاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شرط ہی وہ رکھی ہے جو کبھی پوری نہیں کی جا سکتی۔ مگر درحقیقت الزام کو ثابت کرنے کے لیے اتنی سخت ترین شرط لگانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ معاشرے میں الزام لگانے کی سوچ کو ختم کیا جا سکے۔ جب تک کہ ناقابل تردید ثبوت میسر نہ ہوں، کسی بھی شخص کے خلاف کسی پہلو سے زبان نہ کھولی جائے۔

چار گواہ چونکہ عدالت ہی میں پیش ہو سکتے ہیں جہاں عدالت ہر دو فریق کا فیصلہ اور گواہی طلب کر کے انصاف کے مطابق حکم لگاتی ہے، اس سے عام لوگوں کے لیے مزید یہ ہدایت نکلتی ہے کہ ایسے معاملات میں وہ بھی انصاف سے کام لیں۔ انصاف کے لیے شرط ہے کہ دونوں فریقوں کا موقف سنا جائے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔ کسی ایک فریق کے یکطرفہ الزامات سن کر ان الزامات کو آگے بڑھانا ایک بدترین جرم ہے جس کی روز قیامت جواب دہی کرنی ہوگی۔

شیطان یا فرشتہ

عام لوگوں کے اس طرح کی چیزوں میں پڑنے کا ایک باعث ہمارے معاشرے کی یہ نفسیاتی کمزوری ہے کہ ہم جب کسی انسان کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں تو اسے شیطان یا فرشتے میں سے کسی ایک انتہا پر ضرور پہنچا دیتے ہیں۔ ہم جس عالم سے متاثر ہو جائیں اسے تقدس اور عظمت کے اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں ہم برائے بحث یہ تو مان سکتے ہیں کہ ہمارا عالم غلطی کر سکتا ہے، مگر ہمارا پورا یقین ہوتا ہے کہ اس نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔

دوسری طرف جس شخص کے خلاف ہمارا عالم اور ہمارا فرقہ محاذ کھول دے، ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ایک شیطان ہے جس میں کسی خوبی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اس کا مکمل بائیکاٹ کرنا، اس کی بات سننے اور پڑھنے سے انکار کر دینا، اس کی کسی بھی اچھائی کا اعتراف کرنا ہمارے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص توحید پر بھی بات کرے گا تو ہم اس میں سے شرک نکالیں گے۔ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا دفاع کرے گا اور ہم اسے باطل مذاہب کی خدمت تصور کریں گے۔ وہ اصلاح کے لیے اٹھے گا اور ہم اسے غیر ملکی طاقتوں کا ایجنٹ قرار دے کر رد کر دیں گے۔

ہم یہ تصور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب انسان غلطی کر سکتے ہیں۔ ہر کسی میں کمزوری ہو سکتی ہے۔ معصوم اور محفوظ کوئی نہیں۔ اپنے جس عالم کو ہم ہر خطا سے پاک سمجھتے ہیں، وہ ٹھوکر کھا سکتا ہے اور جس کے شیطان ہونے کا ہمیں یقین دلا دیا گیا ہے وہ ایک سچا اور مخلص مسلمان ہو سکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو معاشرے میں نفرت اور انتشار کو بڑھاتی چلی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ فرقہ واریت اور تعصّبات پیدا کرنے والے لوگ اگر الزام و بہتان کا طوفان اٹھاتے ہیں تو اسے پھیلانے کی خدمت اپنی کمزوریوں کی بنا پر عام لوگ سرانجام دیتے ہیں۔ مگر یہ سرتاسر قرآن وحدیث کی خلاف ورزی پر مبنی رویہ ہے۔ یہ جھوٹ پر مبنی وہ رویہ ہے کہ جو اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

فرقہ واریت اور گروہی تعصب: کچھ عملی مسائل

فرقہ واریت اور گروہی تعصب کس طرح پیدا کیا جاتا ہے اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے، ہم نے پیچھے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ عملی طور پر یہ معاشرے میں کس قسم کا انتشار اور مسائل پیدا کرتا ہے۔

معاشرتی انتشار اور فساد

تعصّبات کا فروغ ہر پہلو سے ایک منفی عمل ہے۔ آج معاشرے میں مذہبی بنیادوں پر جو نفرت اور خلفشار ہے، جو مناظرے اور فرقہ واریت عام ہے، مذہبی اور مسلکی بنیادوں پر بے رحمانہ قتل و غارت کا جو سلسلہ جاری ہے وہ سب اسی کی عطا ہے۔ یہی ایک چیز کافی ہے جو اس رویے کے باطل ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ تاہم اس پر تفصیلی گفتگو کی اس لیے ضرورت نہیں کہ یہ وہ نقصانات ہیں جو آج کھل کر سب لوگوں کے سامنے آ چکے ہیں۔ عوام و خواص سب نہ صرف ان مسائل سے آگاہ ہیں بلکہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں کس طرح معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہیں۔

نہ صرف عام لوگ بلکہ مذہبی پس منظر کے لوگوں کو بھی اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ جن جب بے قابو ہو جاتا ہے تو بات الزام و بہتان اور فتویٰ بازی تک محدود نہیں رہتی۔ وہ زمانہ گزر گیا جب آپ کسی فرقے کے خلاف ایک تقریر کر کے اور اپنے لوگوں سے داد سمیٹ کر واپس گھر لوٹ

آتے تھے۔اب نفرت پھیلانے کے بعد آگ لگ جاتی ہے اور خون بہنے لگتا ہے۔ یہ خون کسی ایک فریق کا نہیں ہوتا بلکہ تمام گروہ کم یا زیادہ اس کا نشانہ بننے لگتے ہیں۔نفرت پھیلانے والا جلد یا بدیر خود اس نفرت کا نشانہ بن جاتا ہے۔اس لیے الحمدللہ تمام مکاتب فکر کے معقول لوگ اور اہل علم اب اس طرف توجہ دلانے لگے ہیں کہ یہ رویہ درست نہیں ہے۔

باشعور لوگوں کو دین سے دور کرنے کا سبب

تعصب اور فرقہ واریت کا میرے نزدیک ایک اور بہت بڑا نقصان ہے مگر بالعموم لوگ اس سے واقف نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ ہے پڑھے لکھے اور باشعور مسلمان کا ذہنی اور فکری ارتداد جو اس تعصب، دھڑے بندی اور فرقہ واریت کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔میں اسے تفصیل سے سمجھانے کے لیے بطور کیس اسٹڈی ذاتی مثال زیر بحث لا رہا ہوں۔آپ اسے معاشرے کے ایک عام نوجوان ذہن کی داستان سمجھ کر پڑھیے گا۔اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ فرقہ واریت اور تعصب وہ دودھاری تلوار ہے جو کچھ لوگوں کو غلو،تشدد اور قتل و غارت گری تک لے جاتا ہے تو کچھ اور لوگوں کو خود دین ہی سے برگشتہ کر دیتا ہے۔خاص کر وہ باشعور لوگ جو معاشرے پر اثر انداز ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔

ایک وضاحت

میں جس داستان کو سنانے جا رہا ہوں اس سے قبل یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ اس میں بعض معاصر مکاتب فکر کے بارے میں سخت الفاظ ملیں گے۔لیکن یہ ہرگز ہرگز میرے الفاظ اور میرا نقطہ نظر نہیں بلکہ دل پر جبر کر کے میں نے یہ چیزیں اس لیے نقل کی ہیں کہ یہ بتا سکوں کہ کچھ لوگ جب تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں تو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف سخت ترین زبان اختیار کرتے ہیں۔ میں ان تمام مکاتب فکر سے محبت کا تعلق رکھتا ہوں۔ میرا اپنا ذاتی نقطہ نظر ان

سب کے بارے میں یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اصول میں ٹھیک جگہ کھڑے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید اور سنت کی شکل میں جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کو دے کر گئے ہیں اس کی ایک زندہ روایت اِنہی کے ہاں جاری و ساری ہے۔ بدقسمتی سے یہ اہم ترین بات ان لوگوں کے ہاں بہت کم اہم رہ گئی ہے اور ان کے باہمی فروعی اختلافات اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف سخت الزام و الفاظ کا تبادلہ عام ہے۔

میں نے ان تمام مکاتب فکر اور دیگر اہل علم سے بھی استفادہ کیا ہے اور میں ان کے بارے میں اچھی رائے ہی رکھتا ہوں۔ اس تحریر کا اصل مقصد اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ لوگ فروعی اختلافات کو چھوڑیں اور جن بنیادی اصولوں پر اتفاق ہے ان کو نمایاں کریں۔ کیونکہ یہی مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

ویسے مجھے یہ وضاحت کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی کیونکہ جو بات میں بیان کرنے جا رہا ہوں وہ اپنے پس منظر میں بالکل صاف اور واضح ہے۔ مگر کیا کیجیے اس معاشرے میں بدقسمتی سے ایسی بیمار ذہنیت بھی موجود ہے جو مخالفت پر آمادہ ہو کر کسی بھی بات کا بالکل الٹا مطلب نکالنے میں ماہر ہے۔ اسے ایک مثال سے یوں سمجھیں مشہور مناظر احمد دیدات جنھوں نے ساری زندگی مسیحی مشنری سے مناظرے کر کے اسلام کا دفاع کیا، ان کے ایک مخالف نے ان پر الزام لگایا کہ وہ درحقیقت مغرب کے ایجنٹ ہیں جو مسیحیت پھیلا رہا ہے۔ پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ جواب ملا: کیا احمد دیدات کی ہر تقریر میں بائبل کا حوالہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہوتا؟ یہی ان کے عیسائی ہونے کا ثبوت ہے۔

آپ چاہیں تو اس صورتحال پر ہنسیں یا روئیں یہ آپ کی مرضی ہے مگر یہ مریضانہ سوچ بہرحال ہمارے ہاں موجود ہے جس کا سامنا ہر اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جو ہمارے ہاں اسلام کے

دفاع کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور کچھ نہ کچھ مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔

ایک نوجوان کی داستان

میں بچپن سے گہرے مذہبی رجحانات رکھنے والا شخص ہوں۔ میرے گھر کے قریب جو مسجد تھی وہ بریلوی مکتب فکر کی تھی۔ مسجد کے امام علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب تھے۔ وہ جلالی طبیعت کے مالک ایک زبردست خطیب تھے جن کی زندگی کا مشن تمام دیوبندیوں اور اہل حدیث حضرات کو گستاخ رسول، گمراہ، بددین اور مرتد و زندیق ثابت کرنا تھا۔

کئی برس اس ماحول میں گزارنے کے بعد میری ذہنی ساخت اس درجہ متعصّبانہ ہوچکی تھی کہ مجھے دیوبندیوں اور اہل حدیث حضرات (جنھیں بطور ایک مذہبی گالی کے وہابی کہا جاتا ہے) سے سخت نفرت ہوچکی تھی۔ تاہم میری ایک خوش قسمتی یہ تھی کہ مجھے بچپن ہی سے بے پناہ مطالعے کی عادت تھی۔ مگر چونکہ ہمیں یہی سکھایا جاتا تھا کہ کبھی کسی دوسرے مسلک کے گمراہ اور بددین عالم، گلابی کافر (دیوبندی یعنی بظاہر ادب کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے دھوکہ دینے والے منافق) اور کالے کافر (یعنی علانیہ گستاخی رسول کے مرتکب اہل حدیث حضرات) کی کتاب نہیں پڑھنا، اس لیے زیادہ تر مطالعہ کہانیوں کا تھا۔ وہ نہ ملتیں تو اپنے بڑے بھائی بہنوں کی کورس کی کتابیں چاٹ جاتا۔ میں جب مڈل اسکول میں تھا تب بھی بی اے تک کی سطح کی مذہبی، تاریخی اور ادبی کتابیں پڑھنا میرا معمول تھا۔ خاص کر علامہ اقبال کا تو میں شیدائی تھا اور ان کے کلام کو سمجھنے کے لیے پروفیسر سلیم چشتی اور دیگر اہل علم کی تشریحات خرید کر لاتا اور کلام اقبال کو سمجھ کر پڑھتا۔ میں مطالعے کا اتنا عادی تھا کہ کوئی نئی کتاب نہ ملتی تو بیسیوں دفعہ پڑھی ہوئی کتاب پھر پڑھ جاتا۔

میری دوسری خوش قسمتی یہ ہوئی کہ چند برس بعد مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب کسی اور علاقے کی مسجد میں چلے گئے۔ یوں دوسرے اہل علم کے بارے میں نفرت میں مبتلا کرنے کا ماحول باقی نہ

رہا۔حالات نے تیسری مثبت کروٹ یہ لی کہ اسی زمانے میں میں اپنے گھر والوں کے ہمراہ سلسلہ وارثیہ کے ایک صوفی بزرگ سے بیعت ہوگیا۔یوں مذہبی ذوق کا رخ مناظرانہ نفرت کے بجائے اذکار وتسبیحات کی طرف مڑ گیا۔صوفی ویسے بھی عام مذہبی لوگوں کی طرح نفرت نہیں پھیلاتے۔اس لیے غیر بریلویوں کے خلاف نفرت کم نہیں ہوئی تو بڑھی بھی نہیں۔

اسی دوران میں بڑے بھائی گھر میں تفہیم القرآن کا سیٹ لے آئے۔میری چوتھی خوش قسمتی یہ تھی کہ مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب نے کبھی مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو براہ راست موضوع نہیں بنایا تھا اوران کے خلاف کوئی منفی بات ذہن میں نہیں تھی۔ورنہ ہمارے ہاں جس طرح نفرت،تعصب اور بائیکاٹ کرنے کا ذہن بنایا جاتا ہے،اس کے بعد ممکن ہی نہیں تھا کہ میں مولانا مودودی کی کوئی تصنیف پڑھتا۔بہرحال میں نے تفہیم القرآن کا مطالعہ شروع کردیا۔جن لوگوں نے تفہیم القرآن پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک انتہائی آسان اور دلچسپ تفسیر ہے جو معلومات کا بھی بے پناہ ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہے۔

تاہم اس کے مطالعے کے دوران بارہا ایسے مقامات آجاتے جو میرے تعصّبات کے خلاف تھے۔ایسے میں بلا مبالغہ دل یہ چاہتا کہ مولانا مودودی میرے سامنے آجائیں اور میں تفہیم ان کے سر پر دے ماروں (مجھے اب تو ان خیالات پر بھی ندامت ہے،مگر اس وقت تعصب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہی حال ہوتا تھا،جبکہ آج نوجوانوں کو فریق مخالف کو قتل کرنے پر اکسایا جاتا ہے)۔تفہیم بند کرکے میں رکھ دیتا مگر پڑھنے کی عادت اتنی پختہ تھی کہ جب مطالعے کے لیے کچھ اور نہ ملتا مجبوراً دوبارہ اسے کھول کر بیٹھ جاتا اور پڑھتا رہتا۔

کچھ سوالات

یہ کتاب جو قرآن،تفسیر،حدیث،فقہی اور تاریخی معلومات کا ایک انسائکلو پیڈیا ہے،آخرکار

میرے ذہن میں اپنے نقطہ نظر اور تعصّبات کے متعلق کچھ سوالات پیدا کر گئی۔ مزید یہ کہ اس نے غیر بریلوی علما کی کچھ اور کتابوں کے مطالعے کا راستہ بھی ہموار کر دیا۔ مثلاً مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی اور مفتی شفیع کی معارف القرآن وغیرہ۔ مجھے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ جن بنیادوں پر میں دوسرے لوگوں کو گمراہ سمجھتا تھا وہ سرتاسر غلط تھیں۔ یہ غلط فہمیاں تھیں جو پھیلائی گئی تھیں۔ یہ تعصّبات تھے جو ذہن میں بٹھائے گئے تھے۔ یہ جھوٹ اور بہتان تھا جس کی گرد نے ہر منظر کو آلودہ کر دیا تھا۔ پھر دوسرے لوگوں کی بریلویوں کے خلاف لکھی گئی کتابیں علم میں آئیں تو پتہ چلا کہ معاملہ یکطرفہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے بھی بریلویوں کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔ وہی الزام، وہی بہتان، وہی بدنیتی پر مبنی تحریریں اور تقریریں، وہی پورے اعتماد سے بولا گیا جھوٹ اور وہی پورے یقین سے لگائے گئے کفر، شرک، بدعت اور گمراہی پر مبنی فتوے، وہی بات کو سیاق وسباق سے کاٹنا، وہی الفاظ کے موقع محل کو نظر انداز کرنا، وہی مجموعی شخصیت اور تعلیم کو کونے میں رکھ کر اپنے مطلب کی باتیں نکالنا۔ میں اپنے قارئین سے سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ تمام تحریریں ایسی ہیں کہ کسی شخص پر اور مکتب فکر پر آپ کا اعتماد باقی نہیں رہ سکتا۔

خیر اس وقت اِن سب کے ساتھ قرآن مجید کے براہ راست مطالعے نے یہ واضح کرنا شروع کر دیا تھا کہ جن چھوٹی اور ناقابل تذکرہ باتوں اور چیزوں پر ہمارے ہاں کفر وضلالت کے فتوے جاری ہوتے ہیں وہ قرآن کریم میں سرے سے زیر بحث ہی نہیں آتے۔ حالانکہ لوگوں کا کفر و ایمان ہی قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر زیر بحث رہا ہے۔

بہر حال اس پورے مطالعاتی عمل سے یہ دھماکہ خیز سوال پیدا ہوا کہ اگر مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب پورے یقین (ان کے یقین کا عالم یہ تھا کہ دوران خطاب منبر پر تقریر کے دوران میں یہ کہتے تھے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہی قیامت کے دن کہوں گا چاہے مجھے اللہ تعالیٰ جہنم میں

پھینک دے)اور اعتماد کے ساتھ گفتگو کر کے اگر غلط رہنمائی کر سکتے ہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ دیگر لوگ بھی یقین و اعتماد سے بات کر کے یہی معاملہ نہیں کر سکتے۔ یقین سے اپنی بات کو بیان کرنا میرے لیے اتنا بے وقعت ہو چکا تھا کہ سوال یہ پیدا ہو گیا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ خود قرآن مجید جو کچھ بیان کر رہا ہے وہ سب ٹھیک ہے۔

اس آخری بات کا پس منظر یہ تھا کہ میں اس زمانے میں بیسویں صدی کے معروف ملحد اسکالر اور سائنسدان کارل ساگان کے ذریعے سے الحاد، انکار خدا اور مذہب کے مغربی تصور سے متعارف ہونا شروع ہو چکا تھا۔ یہاں ہر جگہ سائنٹفک دلیل کی بات ہوتی تھی جبکہ میں قرآن مجید کا ایک بالکل ابتدائی طالب علم تھا جس کا خیال یہی تھا کہ اس میں بس یقین واعتماد کے ساتھ ایک ہستی کلام کر رہی ہے جسے دلیل سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔

دلائل قرآن

یہاں میں جملہ معترضہ کے طور پر یہ عرض کر دوں کہ قرآن مجید بلاشبہ یقین کی زبان میں گفتگو کرتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ عالم کے پروردگار کو اسی شان کے ساتھ کلام کرنا چاہیے۔ مگر ہمارا شہنشاہ ہمارا معلم بھی ہے۔ اس نے توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو یقین کی زبان میں بیان کرنے کے ساتھ انتہائی سائنٹفک بنیادوں پر سمجھایا بھی ہے۔ مگر بد قسمتی سے قرآن ہمارے ہاں اس پہلو سے بہت کم زیر بحث آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بندہ عاجز پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ قرآن مجید کے یہ سائنٹفک دلائل اس نے اپنے فضل سے اس گنہگار پر ٹھیک اسی وقت واضح کیے تھے جب میں ''جب زندگی شروع ہوگی'' کی تصنیف سے فارغ ہوا تھا۔ اب میری زندگی کی یہ سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں قرآن مجید کے ان سائنٹفک، منظّم، مرتب دلائل جو سرتاسر عقل عام پر مبنی ہیں ایک ڈاکومنٹری کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کروں۔ جس

طرح کارل ساگان نے اپنی شہرہ آفاق ڈاکومنٹری ''کاسموس'' سے ایک دنیا کو متاثر کیا اور خدا کے بغیر کائنات کا تعارف کرایا میں خدا کی بنیاد پر کائنات کا وہ تعارف کرا سکوں جس طرح قرآن مجید انہیں پیش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں نے اپنی کتابوں کی اشاعت سے ہونے والی آمدنی مختص کر دی ہے۔ جو میں کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا۔ باقی معاملہ اب مالک کائنات کے ہاتھ میں ہے۔ و الی اللہ المستعان ۔

سب ہی کافر

خیر اس زمانے میں میرا خیال یہی تھا کہ قرآن مجید میں اس نوعیت کے دلائل نہیں پائے جاتے جو سائنٹفک بنیادوں پر کوئی مقدمہ ثابت کر سکیں ۔مگر متعصّبانہ دینی فکر کی اصل خرابی یہ تھی کہ یہاں ہر شخص دوسرے کو خود ساختہ دلائل سے گمراہ ثابت کرنے میں مشغول تھا۔ بریلوی اگر اپنے نقطہ نظر میں درست نہیں تھے اور تعصب کی بنیاد پر کھڑے تھے تو باقی لوگوں کا معاملہ بھی بالکل یہی تھا۔ وہی الزام، بہتان، کفر و گمراہی کے فتوے۔ بریلویوں کے ہاں مخالف گستاخ رسول تھے تو اہل حدیث اور دیو بندیوں کے لیے یہ مشرک تھے۔ یہاں سے بددین کی صدا بلند ہوتی تو وہاں سے بدعتی کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ یہاں سے کفر و ضلالت کے فتوے جاری ہوتے تو وہاں سے ارتداد اور گمراہی کے سرٹیفکیٹ جاری کیے جاتے ۔ یہ سب مل کر بالاتفاق اہل تشیعہ کو کافر قرار دیتے اور وہاں سے بھی ''یا علی مدد'' کے ساتھ ان کے لیے ایسا ہی ''تحفہ اثنا عشریہ'' آتا۔ ہمارے زمانے میں تو خیر فرقہ وارانہ مخالفت پر مبنی یہ کتابیں بڑی مشکل سے ملتی تھیں اور میرے جیسا کتابی کیڑا ہی ان کو ڈھونڈ کر چاٹ سکتا تھا، مگر اب تو انٹرنیٹ پر بڑی آسانی سے یہ سب دستیاب ہے۔ تمام مسالک اور مکاتب فکر کے ایک دوسرے کے خلاف دیے گئے کفر و گمراہی کے ''ثبوت'' آپ جب چاہیں بآسانی ڈھونڈ کر استعمال کر سکتے ہیں۔ مسالک اور مکاتب فکر کے بیان سے کسی کو کوئی غلط فہمی نہ ہو کہ ان

کے علاوہ دیگر تنظیموں، اداروں اور اہل علم کو کفر وضلالت کی اس مہم سے کوئی استثنا حاصل ہے۔ ہر وہ عالم یا جماعت جو مقبول ہوئی ان سب کے خلاف لکھا اور بولا گیا۔ یہ سارا مواد جس میں آپ ان پر لگائی گئی گمراہی اور کفر کے الزامات کی تفصیل دیکھ سکتے ہیں بآسانی انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

میرے جیسے ایک سادہ طبیعت نوجوان کے لیے دوسروں کو کافر و گمراہ قرار دینے والے لٹریچر کا حاصل مطالعہ یہ تھا، اور آج کے ذہین نوجوانوں کے لیے بھی یہی ہے کہ ان سب نے ایک دوسرے کو تو گمراہ ثابت کر دیا ہے، اگلا نتیجہ جو خود بخود نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ہی کافر اور گمراہ ہیں۔ بلکہ مذہب اپنی ذات میں ایک ڈھکوسلہ ہے۔ مذہب اہل مذہب کی ایجاد ہے جو اپنے مفادات اور تعصّبات کے لیے خدا، رسول اور آخرت جیسے تصورات کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ وہ نتائج فکر ہیں جن تک پہنچتے ہوئے کسی نوجوان کو زیادہ دیر نہیں لگتی ہے۔

تمام مذاہب کا معاملہ یہی ہے

یہ معاملہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام مذاہب کا ہے۔ جیسا کہ غالبًا برٹینڈ رسل نے بیان کیا تھا کہ ایک عیسائی راہب اپنا نفس مارنے کے لیے آٹھ سال پتھر سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔ وہ اس ریاضت سے فارغ ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ ایک دوسرا راہب یہ کام دس برس تک کر چکا ہے جس پر وہ غصے سے جھنجھلا اٹھا۔ یہی مروجہ مذہبیت کی کل حقیقت مجھے سمجھ آئی کہ ساری دینداری، ریاضت اور تقویٰ کے بعد بھی جہاں حسد، نفرت، غصہ اور جھنجھلاہٹ ہی ہو وہ مذہب نہیں مذہب کا استعمال ہے۔ یہ دین کی خدمت نہیں دوکانداری ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب میں اپنے شہر کے سب سے بڑے کالج کا طالب علم تھا۔ میرے گھر والے اور بالخصوص میری والدہ میری غیر معمولی ذہانت اور تعلیمی کامیابیوں کی بنا پر یہ توقع رکھتے تھے کہ میں فنانس یا میڈیکل جیسے کسی شعبے میں اعلیٰ مقام حاصل کروں گا۔ مگر کالج کے یہ سال میں نے

بڑے اضطراب میں گزارے۔ آخر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ سب سے آسان راستہ اس مسئلے کو حل کرنے کا یہ ہے کہ جس ہستی کی وجہ سے یہ سارا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے اس سے براہ راست معاملہ کیا جائے۔ قرآن مجید کو ترجمے سے بار بار پڑھنے کی وجہ سے میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کس اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ میں سب جانتا ہوں اور مجھے ہر شے کی خبر ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو راستہ آسان تھا۔ اس سے بات کر کے دیکھ لی جائے۔ وہ ہوگا تو تھوڑے عرصے میں جواب آ جائے گا۔ نہیں ہوگا تو کہانی ختم۔

اس کے بعد میں کم و بیش ایک برس تک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا۔ مغرب اور عشا کے درمیان مراقبہ اور اذکار میرا معمول تھے۔ دراصل اس پورے فکری عمل میں میں نے عملی عبادات کبھی نہیں چھوڑی ہیں، بے دلی سے سہی مگر انہیں اختیار کیے رکھا۔ اذکار کے بعد میں نے آدھے پونے گھنٹے تک دعا کرنا معمول بنا لیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ کوئی خواب بھی نہیں آیا۔ البتہ یہ ہوا کہ میٹرک میں پورے اسکول میں ٹاپ کرنے والا طالب علم انٹر میں کالج کے ان گنتی کے طالب علموں میں شامل ہو چکا تھا جن کی سیکنڈ ڈویژن آئی تھی۔ جس ذہنی اضطراب میں میں تھا اس میں یہ ہونا بھی معجزہ تھا۔ اگلے سال اسی حال میں پرسنٹ ایج بہتر کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ اور خراب ہو گیا۔ البتہ اس برس گھر والوں کے ساتھ عمرہ کرنے چلا گیا۔ سچی بات ہے یہ ایک رسمی عمل تھا۔ میری کیفیت غالب کے الفاظ میں یہ تھی۔

بے دلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق

بے کسی ہائے تمنا کہ دنیا ہے نہ دیں

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم

دُردِ یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

(مناظر دنیا میں نہ عبرت رہی نہ ذوق کی تسکین ملی، خواہشات دنیا کی پوری ہوئیں نہ دین کی۔علم و دانش ہو یا عبادت سب لایعنی ہو چکے ہیں اور دین و دنیا غفلت کے پیالے کی تہہ میں بیٹھی بیکار کیچڑ بن چکے ہیں)

نصرت الٰہی

یہ دو تین برس بظاہر بے عملی، ناکامیوں اور شکستوں کے سال تھے، مگر زندگی کی تبدیلی کے برس بھی یہی تھے۔ کیونکہ اللہ کو پکارنا کبھی بے کار نہیں جاتا۔ خواب دکھانا ان کا اصل طریقہ نہیں بلکہ وہ راستے ہموار کر دیتے ہیں۔ یہی میرے ساتھ ہوا۔اس دور میں میرا سارا مطالعہ ختم ہو گیا اور میری توجہ صرف اور صرف قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی طرف ہوگئی۔ نجانے کس طرح میرا دل اس طرف آ گیا حالانکہ پہلے یہ مجھے ایک بالکل بورنگ کام لگتا تھا۔ پہلے میں تفسیر پڑھتا تھا اور ترجمہ قرآن کو سرسری طور پر دیکھتا تھا۔ مگر اب تفسیر کو چھوڑ کر میں نے قرآن کریم کے اصل الفاظ کو سمجھ کر گہرا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ اس طریقے سے فائدہ یہ ہوا کہ مجھ پر قرآن مجید کی بنیادی دعوت بالکل واضح ہوگئی۔ یہ دعوت توحید و آخرت کی دعوت اور اعلیٰ اخلاقی رویوں کو اختیار کرنے کی دعوت تھی۔ یہ وہ دعوت تھی جو ہماری متعصّبانہ اور فرقہ وارانہ فکر میں سرے سے غائب ہے۔ اسی طرح یہ بات سامنے آئی کہ الحاد و انکار خدا کے علمبردار بڑے اہل علم جیسے برٹینڈ رسل وغیرہ کا اصل اعتراض اس دعوت پر نہیں بلکہ اہل مذہب کے پیش کردہ تصور مذہب پر تھا۔ عقائد پر ان کا جو اعتراض تھا وہ نامکمل علم اور مسیحی پس منظر کی بنا پر تھا۔

مثلاً وہ نفس مذہب اور وجود باری تعالیٰ کے منکر تھے مگر اس کی اصل وجہ برٹینڈ رسل نے اپنی شہرہ آفاق کتاب Why I am not a Christian کے مقدمے میں اس طرح بیان کی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک علیم و قدیر اور خدائے مہربان یہ وسیع و عریض کائنات اربوں برس پر

مشتمل مراحل سے گزار کر اس لیے تخلیق کرے کہ آخر کار یہاں ہٹلر، اسٹالن اور ہائڈروجن بم جیسی چیزیں ظہور پذیر ہوں۔ رسل کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں۔

There is to me something a little odd about the ethical valuations of those who think that an omnipotent, omniscient, and benevolent Deity, after preparing the ground by many millions of years of lifeless nebulae, would consider Himself adequately rewarded by the final emergence of Hitler and Stalin and the H-bomb.

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

I am firmly convinced that religions do harm as I am that they are untrue.

ترجمہ: ”میں پوری طرح اس کا قائل ہوں کہ مذاہب جھوٹے ہونے کے ساتھ نقصان دہ بھی ہیں۔“

اگر قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دیا جائے اور سامنے صرف وہ مذہبی فکر رکھی جائے جو رسل کے سامنے تھی یا پھر جس کا ذکر میں اس مضمون میں کر رہا ہوں تو رسل کا اعتراض اور نتائج فکر سو فیصد درست ہیں۔ تاہم خوش قسمتی سے ختم نبوت کے بعد قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اس کا ترجمہ پڑھ کر بھی ایک عام انسان اس کی بنیادی دعوت سمجھ سکتا ہے جو اس اعتراض کی کمزوری واضح کر دیتی ہے۔ یعنی یہ اعتراض مروجہ مذہبی فکر اور مذاہب کے علمبرداروں پر درست ہے، قرآن مجید پر نہیں۔ قرآن مجید واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اصل اہمیت آخرت کی ہے دنیا کی نہیں اور وہاں کامیابی ان لوگوں کو ملے گی جو اعلیٰ اخلاقی رویوں پر قائم رہے۔

جیسا کہ میں نے ابتدائیہ میں عرض کیا تھا کہ اس عاجز نے قلم تو اسی لیے اٹھایا تھا کہ قرآن مجید کی یہ دعوت جو پورے قرآن میں بکھری ہے اسے ''قرآن کا مطلوب انسان'' کے نام سے ایک جگہ جمع کر دوں، لیکن بیچ میں کچھ ایسے رویے آ گئے جو ان مطلوب رویوں کو لوگوں کی نگاہوں میں غیر اہم بنا دیتے ہیں۔ یہ بھی شاید حکمت الٰہی ہے کہ مطلوب سے پہلے نامطلوب کو واضح کر دیا جائے۔

حق کی تلاش

خیر خلاصہ یہ کہ میں سمجھ چکا تھا کہ قرآن مجید کی دعوت پر وہ اعتراض بنتا نہیں جو ملحدین اٹھا رہے ہیں۔ یوں وجود باری تعالیٰ پر میرا فکری اعتماد بحال ہو گیا۔ مگر ایک دوسرا پہاڑ اب سامنے آ چکا تھا۔ کیا اس سفر کو آدھا چھوڑ دیا جائے یا پھر سچائی کی دریافت کے اس سفر کو آخری منزل تک پہنچایا جائے۔ اللہ ہے لیکن وہ عملی طور پر کس گروہ کے ہاں پایا جاتا ہے۔ کس کی بات سچی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی بھی حق پر نہ ہو۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے میرے راستے خود متعین کر دیے۔ میں نے بطور کیریئر جن چیزوں کو اختیار کرنے کا سوچا تھا، انٹرمیڈیٹ کی ناکامی کے بعد ان کے لیے ضروری تعلیم کا حصول اب کم نمبروں کی وجہ سے ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے کوئی اور فیلڈ اختیار کرنے کے بجائے علوم اسلامی کی باقاعدہ تحصیل کا فیصلہ کیا۔

ہدایت اگر مقصود تھی تو اس کے لیے جدوجہد ضروری تھی۔ اس کا سبب قرآن مجید کا وہ ارشاد تھا کہ ہدایت کی ذمہ داری ان لوگوں کے لیے لی گئی ہے جو جدوجہد کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بھی واضح تھا کہ کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ کی طرح تعصّبات، آباء و اجداد کے دین اور پرانی وابستگی سے چمٹے رہنے سے بھی اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے بلکہ بارہا انسان اپنے نفس کی تاریکی کو اجالا سمجھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس عزم کے ساتھ میں نے رسمی تعلیم اور کیریر کو چھوڑ کر باقاعدہ دینی

علوم سیکھنے شروع کیے کہ سچائی جس جگہ نظر آئی اور میرے نظریات کے چاہے جتنا بھی خلاف ہو، اسے میں بلا تعصب قبول کرلوں گا۔ خوش قسمتی سے ایک ایسے تعلیمی ماحول میں میں نے علوم اسلامی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی جہاں حوصلہ افزائی کرنیوالے اور اختلاف کی اجازت دینے والے اساتذہ تھے۔ان میں ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، ڈاکٹر عمر حیات سیال اور پھر ڈاکٹر حافظ احسان الحق جیسے اہل علم کے نام نمایاں ہیں۔ساتھ ہی علمی کتب کا ایسا ذخیرہ یہاں موجود تھا جس میں نہ صرف اسلاف بلکہ برصغیر کے تمام نمایاں علمی روایات اور بڑے اہل علم کی کتابیں شامل تھیں۔یہاں سے ایک دوسری جدوجہد شروع ہوئی۔مگر اس دفعہ پاؤں میں تعصب کی زنجیریں نہ تھیں اور شوق کا زادراہ ہمراہ تھا۔ابتدا میں تمام الہامی مذاہب یعنی اسلام، یہودیت اور مسیحیت اور اہم غیر الہامی مذاہب یعنی ہندومت، بدھ مت اور جین مت کا مطالعہ کیا۔پوری دیانت داری اور علمی طور پر یہ سمجھنا چاہا کہ ان میں کیا کمزوری ہے اور اسلام کو کس طرح ان پر برتری حاصل ہے۔وہ کیا پہلو ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایک مسلمہ حیثیت رکھتی ہے۔کس طرح آپ کی لائی ہوئی ہدایت دوسرے انبیا کے مقابلے میں قیامت تک کے لیے فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

خلاصہ فکر

اس کے بعد میں نے مسلم فرقوں اور مسالک کا مطالعہ کیا۔میں نے بلا تعصب ہر بڑے عالم کو سنا اور پڑھا۔جس سے براہ راست استفادہ کرنا ممکن تھا، استفادہ کیا۔ان کے دلائل سمجھے۔ قرآن کی کسوٹی پر انہیں پرکھا۔لوگوں کے رویے کو سیرت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں جانچا۔جو اس کسوٹی پر پورا اترا اسے ہر پسند و خواہش کے برخلاف بھی قبول کیا۔اور جو اس کسوٹی پر پورا نہ اترا اسے دل و دماغ سے کھرچ کر پھینک دیا۔اس سفر میں آج تک اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر قدم پر دستگیری کی ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔مگر اس کی تفصیل چونکہ اصل موضوع سے متعلق نہیں اس لیے اسے چھوڑ رہا ہوں۔

تاہم اس سفر کے نتائج فکر اس طرح بیان کروں گا کہ میں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سچائی باقی رکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اصل حفاظت قرآن اور دین کے عملی ڈھانچے یعنی سنت کی ہے۔ ان دونوں کو اس نے مسلمانوں کی اکثریت جو مسلمانوں کا مین اسٹریم بھی ہے اس میں اس طرح جاری کر دیا ہے کہ اصل دین ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ مین اسٹریم بریلوی، دیوبندی، سلفی، حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی نام کے کسی ایک خاص مکتب فکر میں نہیں ہے بلکہ ان تمام کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان کے تمام تر فروعی اختلافات کے باوجود اصل دین اعتقادات اور عمل کی سطح پر الحمد للہ سب جگہ متفقہ طور پر موجود ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسرا اہتمام یہ کیا ہے کہ وہ مسلسل ایسے اہل علم پیدا کرتا رہتا ہے جو اس اصل دین کی شرح و وضاحت بھی کرتے رہتے ہیں اور کوئی گمراہی اور بدعت در آنے کی کوشش کرے تو بڑے سلیقے اور واضح دلائل کے ساتھ اس کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ اصل ماخذ محفوظ ہیں اس لیے وہ اکثر اس کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں اور اگر کوئی افراط و تفریط پیدا ہو تو کوئی اور عالم تصحیح کر دیتا ہے۔ اس اہتمام کے نتیجے میں عملی انحراف پیدا بھی ہو جائے تو وہ کبھی مسلمانوں کا اجتماعی عمل نہیں بن پاتا۔

مسلمانوں کے تمام اہل علم کا احترام کرنا بھی یہیں سے میں نے سیکھا۔ کیونکہ اب میں یہ سمجھ سکتا تھا کہ کسی کو غلطی لگی ہے تو کہاں سے لگی ہے۔ اسی احترام کی بنا پر کم و بیش ہر مسلک اور ہر فکر کے عالم سے بلا تعصب میں نے استفادہ کیا اور کبھی کسی تعصب کو حصول علم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنایا۔ میں اگر ان اہل علم کے نام لکھوں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے تو لوگ حیران رہ جائیں گے کہ جس دور میں لوگ صرف ایک عالم اور ایک فرقے کے اسیر ہوتے ہیں کوئی شخص اس قدر متضاد خیالات کے اہل علم سے بیک وقت کیسے استفادہ کر سکتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی سے بھی عقیدت و محبت رکھتا ہو اور اس شخصیت یعنی مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی کسب فیض کیا ہو جن پر مولانا رضا نے با قاعدہ کفر کا فتویٰ دیا۔ ایک شخص مولانا مودودی سے بھی دین سیکھتا ہو اور ان کے سب سے بڑے ناقد مولانا وحید الدین خان کا بھی معترف ہو۔ ڈاکٹر اسرار کی نشستوں میں بھی برسوں بیٹھ کر قرآن کریم سمجھا ہو اور علامہ جاوید احمد غامدی سے بھی استفادہ کیا ہو، اہل تصوف سے وابستگی بھی جس کی اٹھان کا حصہ ہو اور ان کے بدترین ناقد اہل حدیث افکار بھی اس کے علم کا حصہ ہوں، اہل تشیع کے تصورات کو بھی جس نے تحمل سے سمجھا اور اہل سنت کے نقطہ نظر سے بھی واقف ہو، جدید دور کے اہل علم کے کام سے بھی واقف ہو اور اسلاف کی علمی روایت کی بھی جسے خبر ہو۔ الحاد کے علمبرداروں کے اعتراضات کو بھی جو براہ راست سمجھتا ہو اور مذہب کے استدلال سے بھی بخوبی واقف ہو۔

یہ ہمہ گیر استفادہ صرف اسی وقت ممکن ہوا جب دل سے نفرت اور تعصب ختم ہو گیا۔ نفرت اور تعصب کے ساتھ انسان صرف کنویں کا مینڈک بن جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں لاوا پکتا ہے اور زبان سے زہر اگلتا ہے۔ قلم میں سیاہی کی جگہ پوٹاشیم سائنا مائڈ بھر جاتا ہے اور دل غضب کے شعلوں کا الاؤ بھڑکاتا ہے۔ یوں نفرت کا مریض صرف نفرت تقسیم کرتا ہے جبکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی انسان کو وسعت اور تحمل دیتی ہے۔ دل میں محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت انسان دوسروں میں تقسیم کرتا ہے۔ یوں محبت کا درد رکھنے والے صرف محبت تقسیم کرتے ہیں جبکہ نفرت اور تعصب کی گود میں پلنے والے صرف نفرت تقسیم کر سکتے ہیں۔

نفرت اور تعصب کا نتیجہ

اس طول بیانی سے میرا اصل مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ مسلمانوں کے باہمی فرقہ وارانہ اختلاف اور تعصّبات پر مبنی دینداری کس طرح نوجوانوں میں یا تو نفرت اور انتہا پسندی پیدا کرتی ہے یا

پھران کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کا سبب بنتی ہے۔ خاص کر انٹرنیٹ اور کیبل کے اس دور میں جب اسلام کے خلاف ہر طرح کا مواد انٹرنیٹ پر بآسانی دستیاب ہے یہ عمل کتنا تیز ہو چکا ہوگا۔ میرے پاس بہت سے نوجوان یہی مسائل اور الجھنیں لے کر آتے ہیں لیکن پروردگار کی عنایت سے میں اب اس قابل ہوں کہ کم و بیش ہر سوال کا جواب دے سکوں۔ لیکن جو لوگ تعصّبات پر مبنی دینداری اختیار کرتے ہیں درحقیقت آج بھی وہ جانے انجانے میں باشعور لوگوں کو دین سے دور کرنے کا سبب بن رہے ہیں اور برٹنڈ رسل یا موجودہ دور میں رچرڈ ڈاکنز جیسے ملحدین کی سچائی کا زندہ ثبوت بن کر مذہب کا کفن بُن رہے ہیں۔

تعصب

جو لوگ اپنے سینے میں تعصب کے ناگ پالتے ہیں
وہ سب سے پہلے خود ہی ان کے زہر کا نشانہ بنتے ہیں
(ابو یحییٰ)

صبر

صبر کی عادت کے بغیر حصول جنت کی خواہش
ایک ایسا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی
(ابو یحییٰ)

مذہبی اختلافات کے بارے میں کچھ متفرق تحریریں

اس باب میں میرے پیش نظر اپنی کچھ ایسی تحریروں اور خطوط کو جمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے جو اس عاجز کے قلم سے نکلی ہیں۔ ان تمام کا مقصد بعض عملی اور واقعاتی مثالوں سے اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ایسے اختلافات کی شکل میں لوگوں کو کیا غلط فہمیاں لاحق ہو جاتی ہیں یا پھر لوگ کس طرح بغیر علم اور صلاحیت کے سخت لب و لہجے میں کسی اور کے بارے میں ایک فیصلہ کن بات کہنا شروع کر دیتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں ہوتا۔ کس طرح لوگ بات کے صرف ایک رخ سے واقف ہوتے ہیں اور دوسری کہیں زیادہ روشن سچائی کبھی ان کے سامنے نہیں آتی۔ کس طرح کم علمی غلط فہمی کا باعث بنتی ہے اور کس طرح علم رکھنے والے لوگ جانتے بوجھتے اپنے مفادات کے لیے سادہ اور معصوم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

یہ کیسے ہوتا ہے کہ انتہائی پڑھے لکھے دانشور بھی الزام و بہتان کے عمل میں شریک ہو جاتے ہیں اور کس طرح جو لوگ پہلے اس الزام و بہتان کا شکار ہوتے ہیں، آنے والے دنوں میں خود دوسروں کے ساتھ ایسی زیادتیاں کرنے لگتے ہیں۔ ان تحریروں سے قارئین کو ان تمام باتوں کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ یہ مجموعی طور پر پانچ تحریریں ہیں۔

1۔ ''جب زندگی شروع ہوگی'' پر کچھ اعتراضات کا جائزہ

2۔ آپ کو نیند کیسے آجائے گی؟

3۔ بنی اسرائیل اور مسلمان

4۔ نظریہ سازش اور الزامی سوچ کی حقیقت

5۔ حرم پاک اور مسلمانوں کا تفرقہ

جب زندگی شروع ہوگی پر اعتراضات کا جائزہ
(پہلی تحریر)

اس تصنیف کے دیباچہ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ میں اپنی کتاب پر لگائے گئے کسی الزام کا دفاع نہیں کروں گا۔ الحمدللہ جو کچھ میں پیچھے لکھ چکا ہوں سچی بات یہ ہے کہ اس کے بعد اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ ''جب زندگی شروع ہوگی'' پر اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ آپ ذرا ایک نظر ان اصولوں کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جو میں نے پہلے باب میں نقل کیے ہیں۔

۱) فرع کو اصل کی جگہ لے جانا اور اسے اختلاف کی وجہ بنا دینا۔

۲) علم کے بغیر اور جذبات سے مغلوب ہوکر کلام کرنا۔

۳) نبی کی جگہ پر کھڑے ہوکر اپنی ناقص رائے اور ناقص علم اور خود ساختہ معیارات پر دوسرے کے کام بلکہ ان کی نیت اور شخصیت تک پر فیصلہ دینا۔

۴) اختلاف کرتے ہوئے مستشرقین اور منافقین کے اس طریقے کو اختیار کرنا جس کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

۵) مروجہ ڈگر سے ہٹ کر کسی نئے اور تخلیقی کام کی مخالفت کرنا

۶) اسلاف کے اس طریقے کو چھوڑنا جس میں وہ علم و تحقیق اور اختلاف رائے کی اجازت دیتے تھے۔

۷) الزام و بہتان کو بلاتحقیق آگے پھیلانے کی نفسیات، حسن ظن سے کام لینے کے بجائے سنی سنائی اور منفی باتوں کو دوسروں میں عام کرنا۔

قارئین میں سے جن لوگوں نے یہ تنقیدیں پڑھی ہیں یا وہ کبھی ان کو پڑھیں گے تو صاف

دیکھ لیں گے کہ ''جب زندگی شروع ہوگی'' پر کیے جانے والے اعتراضات ان تمام اصولوں کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہیں۔ یہی ان بیشتر تنقیدوں کا معاملہ ہوتا ہے جو فرقہ وارانہ پس منظر میں ایک متعصب ذہن کے ساتھ کی جاتیں ہیں۔ ہاں علمی تنقیدیں کچھ اور ہوتی ہیں، مگر ان کا بیان سردست میرا موضوع نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ ''جب زندگی شروع ہوگی'' کوئی اختلافی نوعیت کی کتاب نہیں ہے۔ وہ دین کی مسلمہ اور بنیادی دعوت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اساس یعنی توحید اور آخرت کی دعوت پر مبنی ہے۔ ہمارے معاصرین دین کو کیسے سمجھتے ہیں، ان کے نقطہ نظر میں کیا خرابی ہے، یہ سرے سے اس کتاب کا موضوع ہی نہیں ہے۔ میں نے نہ دین کا اپنا کوئی نقطہ نظر بیان کیا ہے نہ کسی خاص طریقے پر چلنے کی لوگوں کو دعوت دی ہے۔ جو کچھ بیان کیا قرآن وحدیث میں اس کی تفصیل یا اشارات موجود ہیں۔

اس کے باوجود اس کتاب کو ہدف بنایا گیا اور باقاعدہ پروپیگنڈا مہمیں چلائی گئیں تو اس کا سبب ہمارے معاشرے میں مذکورہ بالا اصولوں پر اختیار کی گئی متعصّبانہ دینداری ہے۔ میں ان لوگوں پر کوئی تبصرہ کر کے اپنا اور قارئین کا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میرے بیان کردہ اصولوں کے بعد بھی کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہے تو وہ براہ راست مجھ سے کر لے۔ میں ذیل میں دو ایسے ہی سوالات اور ان کے جواب نقل کر رہا ہوں۔ یہ سوالات کسی نہ کسی حوالے سے ''جب زندگی شروع ہوگی'' پر لکھی گئی تنقیدوں کے پس منظر میں کیئے گئے۔ لوگوں نے چونکہ براہ راست مجھ سے سوال کیے اس لیے میں نے ان کے تفصیلی جواب دیے۔ میرے جوابات سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنی سطحی نوعیت کی چیزیں تھیں جن کی بنیاد پر اس کتاب کے بارے میں اتنا غلیظ پروپیگنڈا کیا گیا۔

ناول کا لفظ کیوں اختیار کیا گیا؟

[یہ ایک طویل سوالنامہ تھا جس کے صرف پہلے سوال اور جواب کو یہاں نقل کیا جارہا ہے۔]

سوال: میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ نے حشر کے واقعات پر ایک ناول لکھا۔ آپ کی غیرت ایمانی نے یہ کیسے گوارا کرلیا کہ آپ واقعات محشر کو ناول جیسا گھٹیا، ذلیل، گندا عشق لڑانے والوں اور اسے پڑھ کر جنسی تلذذ حاصل کرنے والوں کی طرف مبذول کرانے والا نام دیں۔ آپ نے یہ کمینہ لفظ کس دیانت اور امانت کے بل پر اختیار کیا؟ (پ۔ن)

جواب: میرے محترم بھائی امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ میں آپ کے سوال کا جواب تفصیل سے دوں گا لیکن ابتدا میں صرف ایک چیز کی طرف توجہ دلانی ہے۔ وہ یہ کہ کسی سے بھی اختلاف رائے کرنا ہمارا حق ہے لیکن تہذیب و شائستگی کا جامہ اتار کر اس سطح پر اترنا کسی دیندار شخص کو زیب نہیں دیتا۔ آپ نے درجنوں سوالات پر مشتمل اس پورے سوال نامے میں جو زبان استعمال کی ہے وہ کسی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ کجا یہ کہ کوئی دیندار شخص وقولوا للناس حسنا (لوگوں سے اچھی بات کہو)، جادلھم بالتی ھی احسن (ان سے اچھے طریقے سے بحث کرو) اور والذین ھم عن اللغو معرضون (جنت میں وہ لوگ جائیں گے جو لغویات سے بچتے ہیں) کے صریح قرآنی احکام کی موجودگی میں اس نوعیت کی گفتگو کرے۔ میں تو آپ کی اس کرم فرمائی پر صبر کر کے اپنے پروردگار سے اجر کی امید رکھتا ہوں، آپ البتہ دیکھ لیجیے کہ اللہ کے حیا والے نیک بندے اور بندیاں جب آپ کے یہ الفاظ پڑھیں گے تو وہ آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟

میں بہرحال آپ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے اس نفرت کو ختم کر دے۔اس نفرت کے ساتھ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے تو آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ روز قیامت آپ کی کیسی رسوائی ہوگی۔جب آپ کو یہ بتایا جائے گا کہ تم نے انتہائی ناقص علم اور کامل جذباتیت کا شکار ہوکر اس مقام پر کھڑے ہوکر گفتگو کی تھی جو صرف ہمارے محبوب نبی کا حق ہوتا ہے ، مگر یہ کرتے ہوئے تمھیں ہمارے محبوب نبی کے اخلاق یاد نہیں رہے۔میری مودبانہ درخواست ہے کہ ہو سکے تو کچھ وقت اللہ والوں کی صحبت میں گزاریے۔ان کی صحبت سے انسان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ پیدا ہوتے ہیں۔

اصل سوال کا جواب دینے سے قبل یہ تمہیدی گفتگو مجھے اس لیے کرنی پڑی ہے کہ آپ کا پورا سوالنامہ آپ کی انہی صفات کا آئینہ دار ہے۔اب آیئے آپ کے سوال کے جواب پر۔

میرے محترم بھائی پہلی بات یہ ہے کہ ناول نگاری اصناف سخن میں سے ایک صنف ہے۔جو اعتراض ناول نگاری پر بنتا ہے وہ دیگر تمام اصناف سخن پر بنتا ہے۔اس لیے کہ جن بیہودگیوں کا تذکرہ انتہائی بے باکی سے آپ نے فرمادیا ہے اور جنہیں بار بار دہرانے کی یہ عاجز خود میں ہمت نہیں پاتا، وہ صرف ناول نگاری کے ساتھ خاص نہیں، دیگر اصناف سخن سے بھی یہی خدمت لی جاتی رہی ہے۔میں صرف شاعری کی مثال دوں گا۔کون سی بے ہودگی ہے جس کے بیان کے لیے اشعار کو استعمال نہیں کیا گیا۔میں زبان و بیان کا وہ بے باکانہ ذوق نہیں رکھتا جو آپ کے پاس ہے اور جس کا اظہار آپ کے سوالات سے ہوتا ہے۔اس لیے ایک بڑے شاعر حالی کا ایک شعر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ اشعار میں کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے۔وہ مسدس میں اپنے زمانے کی شاعری پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر

عفونت میں سنڈاس ہے جس سے بہتر

بیت الخلا کی گندگی جن اشعار سے بہتر ہو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے مضامین کیا ہوں گے۔آپ چاہیں تو عرب جاہلیت کے دیوان پڑھ لیجیے۔عربی نہیں آتی تو اردو شعراء کے ''معاملہ بندی'' پر مبنی اشعار پڑھ لیجیے۔ پھر یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے وہ حالی سے کیجیے جنہوں نے اسی مسدس میں بے مثال حمد و نعت لکھی ہے۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اس کے فرماں اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

یا یہ نعتیہ اشعار دیکھیے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

حالی ہی نہیں حضرت حسان بن ثابتؓ سے لے کر آج کے دن تک کے تمام حمد اور نعت گو شاعر اسی اعتراض کی زد میں آجائیں گے۔آپ کو ناول میں واقعات محشر بیان کرنے پر اعتراض ہے یہ شعرا تو اللہ کا ذکر، اس کی حمد اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اشعار کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔''اللہ کے ذکر سے بڑی کیا چیز ہو سکتی ہے''،(العنکبوت 45:29)۔مگر دیکھیے

کہ ایک ختم نہ ہونے والی قطار ہے جو اس خدمت پر معمور ہے۔اس لیے برادر محترم آپ نے جو سوال مجھ ناچیز سے کیا ہے کہ میں نے ایک گھٹیا، ذلیل، گندا عشق لڑانے والوں اور اسے پڑھ کر جنسی تلذذ حاصل کرنے والوں کی اصناف سخن میں واقعات حشر کیوں بیان کیے ہیں وہ مجھ سے بڑھ کر ان سب لوگوں پر وارد ہوجاتا ہے۔

اب آیئے خاص اس ناول نگاری کی طرف جس پر آپ کو بہت غصہ ہے۔ ناول نگاری ہے کیا؟ یہ اس قصہ گوئی، داستان اور حکایت کی جدید شکل ہے جو زمانہ قدیم سے کی جاتی رہی ہے۔ اس لیے جس شخص کو ناول کے نام سے چڑ ہے وہ اسے قصہ، حکایت اور داستان سمجھ لے۔ میں کسی درجہ میں بھی اپنی کتاب کے موازنے کے لیے نہیں بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کہ قصہ بیان کرنا ایک مثبت کام بھی ہوسکتا ہے، عرض کروں گا کہ قرآن مجید نے اپنے بیان کردہ واقعات کو ''قصص'' ہی قرار دیا ہے۔قصہ بیان کرنا اپنی ذات میں کوئی برا کام ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ پروردگار عالم اپنی مقدس کتاب میں یہ کام کرتے۔

یہی وہ قصہ وحکایت ہے جو اب جدید شکل میں ناول کہلاتا ہے۔ یہ ایک صنف سخن ہے۔میں نے یہ اس لیے اختیار کی کہ ناول کی تعریف میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ یہ فکشن ہوتا ہے۔ جبکہ قصہ، حکایت، داستان وغیرہ میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ سچی بھی ہوسکتی ہے اور محض ایک بیان بھی۔ میں چونکہ اس معاملے میں بہت حساس تھا کہ لوگ مرکزی کردار اور اس کی داستان کو سچ نہ سمجھ بیٹھیں اس لیے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ یہ تاثر زائل ہوجائے۔اس تحریر کو ناول اور ناول میں بھی کہانی کو خواب کی شکل میں لانے میں ایک اور احتیاط ملحوظ تھی۔ وہ ہمارے محدثین اور اصولیین کا مسلمہ اصول ہے کہ جب بات کہنے والا اپنی بات کے متعلق پہلے ہی کہہ دے کہ یہ موضوع یا فکشن ہے تو اس پر وہ اعتراضات کبھی پیدا نہیں ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کسی چیز کو پیش کرنے سے پیدا

ہو جاتے ہیں۔

مزید یہ کہ کسی اصلاحی کام کے لیے ناول کی صنف کا اختیار کرنے والا میں پہلا شخص نہیں ہوں۔آپ کو شاید علم نہ ہو مگر نسیم حجازی، ڈپٹی نذیر احمد اور بہت سے دیگر مصنفین نے اس صنف کو مذہبی معتقدات، دینی تعلیمات، اخلاقی اصلاحات اور عہد رسالتماب اور صحابہ کے واقعات کے بیان کے لیے استعمال کیا ہے۔آج تک کسی نے یہ بے ہودہ سوال نہیں اٹھایا کہ انہوں نے اپنے کام کو ''ناول جیسا گھٹیا، ذلیل، گندا عشق لڑانے والوں اور اسے پڑھ کر جنسی تلذذ حاصل کرنے والوں کی طرف مبذول کرانے والا نام'' کیوں دیا۔

باقی اس طرح کی تمام اصناف سخن کے بارے میں قرآن مجید شاعروں کو موضوع بنا کر ایک فیصلہ کن بات اس طرح کہہ چکا ہے:

''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں؟ اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔بس وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے، جنھوں نے نیک اعمال کیے، جنھوں نے اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا اور جنھوں نے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا''، (الشعراء26:224-227)

فیصلہ میرا آپ کا نہیں چلے گا، قرآن مجید کا چلے گا۔اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اصناف سخن میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں بری بھی۔ان کے بیان کرنے والے اچھے بھی ہوتے ہیں برے بھی۔فیصلہ اس پر ہوگا کہ وہ کیا بیان کر رہے ہیں۔بری بات زبان سے کی جائے، نثر میں ہو، نظم میں ہو، ناول میں ہو یا شعر میں بری ہے۔اس کے برے ہونے سے زبان، نظم، نثر، ناول اور شعر برا نہیں ہو جاتا۔اس لیے کہ ان سب چیزوں کے ذریعے سے اچھے کام بھی ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ اللہ کا ذکر بھی جو سب سے بڑی چیز ہے۔

شہید کون ہے؟

ایک سوال شہید کے تصور کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اس سوال کو چونکہ بعض تنقیدوں میں بڑے زوروشور سے اٹھایا گیا ہے اس لیے اس کا جواب یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ سوال کرنے والے ایک محترم بھائی (م۔ح) کے الفاظ میں یہ سوال کچھ اس طرح ہے۔

"ایک بات اگر آپ مناسب سمجھیں تو ذکر کیجیے گا کہ آپ نے ماشاءاللہ جنت میں جیسے صدیق، انبیاء وغیرہ کا انعامات کے حوالے سے جب زندگی شروع ہوگی میں کافی کرداروں کا تذکرہ کیا ہے لیکن شہداء کا ذکر نہیں ملتا جو فی سبیل اللہ قتال میں شہید ہوئے۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے یا محض اتفاق ہے یا ہو سکتا ہے کہ میں ہی مِس کر گیا ہوں۔"

جواب: لفظ شہید قرآن مجید میں تقریباً ساٹھ مقامات پر مختلف شکلوں میں آیا ہے۔ یہ لفظ ہر موقع پر اپنے لفظی مفہوم یعنی شاہد یا گواہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے سوائے ایک موقع کے جہاں یہ اطلاقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ قرآن مجید میں اصطلاحی طور پر اس کا مطلب حق کی گواہی دینے والے لوگ ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں چونکہ قرآن مجید ایک اجنبی چیز ہے اس لیے لوگ سرے سے اس بات سے واقف ہی نہیں کہ لفظ شہید کی حقیقت کیا ہے۔ ورنہ یہی وہ منصب ہے جس پر صحابہ کرام کو فائز کیا گیا تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گواہ ہوں اور وہ لوگوں پر" (الحج 78:22)۔ "یہی وہ کام ہے جو روزمرہ زندگی میں تمام اہل ایمان کو کرنا ہے" (نساء 135:4)۔ "یہی منصب ہے جو جنت کے چار کامیاب گروہوں میں سے تیسرا ہوگا یعنی انبیا صدیقین شہدا اور صالحین" (نساء 69:4)۔

ہمارے ہاں یہ لفظ جن معنوں میں معروف ہے یعنی مقتول فی سبیل اللہ وہ قرآن مجید میں ایک جگہ اطلاقی طور پر استعمال ہوا ہے یعنی سورہ آل عمران آیت 140 میں یہ بیان ہوا کہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے جان دے کر بھی حق کی گواہی دی۔ یعنی اس لفظ کا اصل مطلب حق کی شہادت ہے اور جو لوگ یہ کام کرتے ہوئے اپنی جان بھی نچھاور کردیں گویا کہ ان کے شہید (حق کے گواہ) ہونے میں اب کوئی شک اور گنجائش نہیں رہی۔ یہی وہ مفہوم ہے جو بعض احادیث میں بیان ہوا ہے اور جو ہمارے ہاں عوامی سطح پر زیادہ مشہور ہو چکا ہے۔ ورنہ دین پر تحقیقی نظر رکھنے والا ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ لفظ شہید کی اصل کیا ہے، قرآن کریم میں یہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ احادیث میں یہ لفظ صرف مقتول فی سبیل اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ متعدد روایات میں یہ اپنے اصل مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے روایت میں آتا ہے کہ" انتم شهداء الله فى الارض "(صحیح الجامع رقم، 6728، 1490)۔" یعنی تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو"۔

میں نے اپنے ناول میں مرکزی کردار کو اسی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا درست نہیں کہ اس میں کسی شہید یا اس کے مقام کا ذکر نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ میں نے خاص طور پر کسی مقتول فی سبیل اللہ کا ذکر کیوں نہیں کیا تو یہ تاثر اس پہلو سے درست نہیں کہ میں نے ایک مقام پر ایسے لوگوں کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ وہ بھی بڑے اعلیٰ اجر کے حقدار ہوئے ہیں، (صفحہ 210)۔ اسی طرح دوسرے ناول "قسم اس وقت کی" میں سیدنا یاسر اور سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت اور ان کی عظمت کا بیان ہے۔

ویسے بھی یہ شہداء (مقتول فی سبیل اللہ) دراصل ان شہدا کے ذیل میں ہی آجاتے ہیں جو سورہ نساء میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ غور فرمائیے کہ میں نے تو قرآن مجید کے اس طریقے کو

اختیار کیا ہے جس میں مقتول فی سبیل اللہ کو بھی شہید کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس ناول کی تالیف کا اصل مقصد ہر ہر قسم کے نیکو کاروں کا تفصیلی بیان نہیں ہے۔ کئی قسم کے اعلیٰ درجے کے جنتی ہیں جن کا میں نے ذکر نہیں کیا مثلاً اس میں نفلی روزے داروں کا ذکر نہیں جن کے لیے ایک حدیث کے مطابق جنت کا ایک خاص دروازہ یعنی ریان وقف ہے، بخاری رقم 1896 ۔اس کے علاوہ بھی روزے داروں کے غیر معمولی فضائل بیان ہوئے ہیں جیسے "الصوم لی و انا اجزی به"، (بخاری رقم 1894 مسلم 2707)۔ یعنی ''روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں ہی عطا کروں گا''۔ اعتراض کرنے والا ذہن تو اس پر بھی اعتراض کرسکتا ہے کہ ایسی عظیم فضیلت کے باوجود روزہ داروں کا خصوصی ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ لیکن ہر معقول آدمی سمجھ سکتا ہے کہ میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ہر قسم کی نیکی کرنے والوں کا ایک کہانی میں احاطہ کیا جائے۔

میرا اصل مقصد حشر کی منظر کشی تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اہل جنت کی تمام اقسام کو گنوا دیا جائے اور ان کے تفصیلی معاملات بیان کیے جائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں نے اس اصل مقصد کو سمجھا اور ہزاروں لوگوں کی اللہ نے زندگیاں بدل دیں اور لاکھوں لوگوں تک اسلام کی بنیادی دعوت کا پیغام پہنچ گیا۔

''تم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک اس کا مستحق بن جاتا ہے۔ یا تو وہی (سننے والا) کافر ہوتا ہے جیسا کہ کہنے والا اسے کہتا ہے یا پھر (سننے والا) نہیں ہے تو پھر یہ کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔'' (بخاری، رقم 5752)

آپ کو نیند کیسے آ جائے گی؟
(دوسری تحریر)

[یہ تحریر اصلاً ایک خط ہے جو میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے والے ایک صاحب کو لکھا گیا۔ انہوں نے کتاب کے خلاف ایک مضمون لکھ کر اپنے متعلقین کو اس کتاب کے خلاف مہم چلانے پر آمادہ کیا۔ میں نے کوئی جوابی مضمون لکھنے کے بجائے ایک ذاتی خط میں ان کو توجہ دلائی، مگر بدقسمتی سے ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ یہ خط کسی قسم کی علمی بحث پر نہیں بلکہ کچھ اخلاقی سوالات پر مشتمل ہے جو ہمارے ہاں اکثر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ میرا مقصد کسی فرد کے خلاف مہم چلانا نہیں بلکہ رویوں کی نشاندہی ہے اس لیے ان صاحب کا نام اور متعلقہ تفصیلات حذف کر کے اب یہ خط افادہ عام کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔]

السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی خیریت سے ہوں گے۔ ماہنامہ۔۔۔۔۔۔ کے شمارے میں اپنی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے آپ کے فرمودات دیکھنے کا موقع ملا۔ گرچہ آپ کے مضمون کے آغاز اور اختتام دونوں سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اس مشقت کا اصل مقصد مجھ گناہگار کی اصلاح نہیں بلکہ اپنی تنظیم کے ان سادہ دل دوستوں کی اصلاح اور انہیں اس گناہ عظیم سے بچانا ہے جو اس کتاب کو پھیلا کر وہ کما رہے ہیں۔ تاہم مجھے خوشی ہے کہ آپ کی اس

تحریر کی وجہ سے اس گناہگار کو کتاب پر ایک دفعہ پھر تنقیدی نظر ڈالنے کا موقع مل گیا۔ میرے لیے اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ قبل اس کے کہ روز قیامت میرا احتساب ہو میں اس دنیا میں اپنا احتساب آپ کرلوں۔ ظاہر ہے کہ میں انسان ہوں غلطیاں بھی کرسکتا ہوں اور اپنے تعصّبات کا اسیر بھی ہوسکتا ہوں۔ اس لیے میں کسی بھی تنقید کو چاہے وہ کتنے ہی سخت اسلوب میں ہو، ردی کی ٹوکری میں پھینکنے اور جواب دینے کی نفسیات میں مبتلا ہوکر پڑھنے کے بجائے اپنی اصلاح کے جذبے سے پڑھتا ہوں۔ اس لیے کہ خدا اور آخرت پر ایمان وہ کہانی نہیں جو میں دوسروں کو سناتا ہوں۔ یہ اس گنہہ گار کی زندگی ہے۔

اس خط کا مقصد ایک طرف آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا اور دوسری طرف اس حسن ظن کے ساتھ آپ کو کچھ چیزوں کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ میں جتنا خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہوں، آپ جیسا مخلص آدمی مجھ سے لاکھوں گنا زیادہ ان حقائق کو مان کر اللہ کے حضور پیشی سے شب و روز لرزتا ہوگا۔ جب انسان کے جسم پر لباس ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا انسان کو عالم کے پروردگار کے کڑے احتساب سے بچاسکے گا۔ اس روز انسان اپنی علمی کوتاہیوں کا تو شاید یہ عذر پیش کرنے کی جرات بھی کرسکے کہ آقا غلطی ہوگئی معاف کردے۔ مگر اخلاقی جرائم کا کوئی عذر پیش کرنا بھی اس روز ممکن نہ ہوگا۔ اس پس منظر میں میری گزارشات حسب ذیل ہیں۔

ا۔ میرا ای میل کتاب پر موجود ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ اپنے اعتراضات آپ براہ راست مجھے بھیج کر میرا نقطہ نظر جاننے کی کوشش کرتے۔ کسی شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ سنانے سے قبل دنیا ہی نہیں آخرت کی عدالت میں بھی اس شخص کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جانا عدل وانصاف کا مسلمہ تقاضہ ہے۔ آپ نے اپنے مضمون میں میرے بارے میں ابتدا ہی میں یہ فیصلہ سنادیا کہ میں نے ''حق کے پردے میں باطل تصورات کی تبلیغ بڑی مہارت کے ساتھ'' کی ہے۔ میں بڑے ادب سے دریافت

کروں گا کہ کیا آپ پیغمبر ہیں کہ جو آپ نے سمجھ لیا وہ حرف آخر ہے اور اس بنیاد پر آپ کسی مسلمان کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ سنا دیں۔ اگر آپ خود کو پیغمبر سمجھتے ہیں، تب بھی ''باطل کی تبلیغ'' کے جس سنگین ترین الزام جو درحقیقت کفر کا الزام ہے، کا اعلان کرنے سے قبل یہ آپ کی دینی ذمہ داری تھی کہ آپ مجھ سے میرا نقطہ نظر جانتے۔ اس لیے کہ حدیث پاک (بخاری، رقم 5752) کے مطابق اس طرح کا الزام اگر درست نہیں تو پھر اپنے لگانے والے کے کفر کا باعث بن جاتا ہے۔ میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے یہ پوچھ لیا کہ کسی کا نقطہ نظر جانے بغیر اس کے بارے میں ایک فیصلہ دینے کا تمھیں کیا حق تھا؟ میں اپنے مجرموں کو صفائی کا موقع دیے بغیر فیصلہ نہیں کرتا تو تم نے میرے ایک بندے کے بارے میں جس کے دل کا حال میں جانتا تھا یہ فیصلہ کس طرح کر لیا۔؟ پھر کس بنیاد پر تم نے اور تمھارے کہنے پر تمھارے ساتھیوں نے میرے بندے کے خلاف مہم شروع کر دی تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آجائے گی؟

گرچہ مذکورہ بالا بات کے بعد مجھے مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہی کہ اگر یہی بات موثر نہیں تو مزید کچھ کہنے کا فائدہ نہیں اور اگر یہ بات اثر کر گئی ہے تو کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ مزید یہ کہ میں آپ کو کسی قسم کی علمی بحث کر کے ذہنی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ لیکن آپ کا مضمون مسلمہ علمی اور اخلاقی روایات اور عدل و دیانت کے تمام ضابطوں کی ایسی کھلی پامالی پر مشتمل ہے کہ جو کسی بھی شخص کے لیے روز قیامت سنگین ترین مسائل پیدا کر دے گی۔ ہوسکتا ہے میری ان گزارشات سے آپ خدا کے اس غضب پر کچھ متنبہ ہو جائیں جو مجرموں کی شکل بگاڑ دے گا۔

۲۔ آپ نے مجھ پر اپنا نام چھپانے کے حوالے سے بددیانتی کا سنگین ترین الزام لگایا ہے۔ مجھے

معلوم ہے کہ کچھ ابتدائی درجے کی عربی آپ کے ہاں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ یہ عربی کم از کم اتنی ضرور ہوتی ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ ''ابو یحییٰ'' ایک کنیت ہے۔ علم و ادب اور زبان سے معمولی شناسائی رکھنے والا شخص بھی یہ کہنے کی حماقت نہیں کر سکتا کہ اپنی کنیت سے کتاب لکھنا یا اپنا تعارف کرانا اپنے آپ کو چھپانا ہے۔

میں مسلمانوں کی علمی تاریخ اور معاصر اہل علم و فن کی درجنوں مثالوں سے یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ سب لوگ اپنی کنیت سے لکھا کرتے ہیں اور آج بھی لکھتے ہیں۔ کوئی اسے نام چھپانا نہیں کہتا۔ نام اس وقت چھپایا جاتا ہے جب نام نہ لکھا جائے یا پھر کسی اور نام سے لکھا جائے۔ مزید یہ کہ میں نے نہ یہ کتاب آپ کو تبصرے کے لیے بھیجی ہے اور نہ تعارف کے لیے اور نہ آپ کے کسی ساتھی کو کتاب پڑھنے کے لیے دی کہ اپنا تعارف کرانا میرا اخلاقی فرض بن جاتا۔ مگر آپ نے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے مجھ پر بددیانتی کا الزام لگایا۔ مزید یہ کہ آپ نے میرے دل کا حال بھی جان لیا کہ میں نے کس وجہ سے یہ کتاب اپنی کنیت سے لکھی اور بڑے اعتماد سے اسے بیان کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص جب نبی کی طرح فیصلہ دینے لگے تو اس کے لیے غیب دانی ضروری ہے۔ مگر کیا آپ کو یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ آپ کا احتساب کرتے ہوئے آپ سے پوچھیں گے کہ تم نے علم کے بغیر محض ذاتی اندازوں کی بنیاد پر میرے بندے پر بددیانتی کا الزام لگایا تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آ جائے گی؟

۳۔ آپ نے مجھ پر یہ بہتان تراشا ہے کہ میں نے سلف صالحین سے تعلق کی نفی کی ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس دعویٰ کے ثبوت میں میرا جو اقتباس آپ نے نقل کیا ہے اس میں سرے سے سلف

صالحین کا ذکر ہی نہیں نہ کسی پہلو سے ان سے کسی تعلق کی نفی کی گئی ہے۔آپ کا دیا ہوا اقتباس پڑھ کر واقعی آپ کے حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس کے بالکل برعکس حقیقت یہ ہے کہ ناول کے اس مرحلے پر مرکزی کردار عبداللہ جن لوگوں کے ساتھ موجود تھا وہ سب کے سب سلف صالحین ہی تھے۔ان کی عظمت کے احساس سے عبداللہ کو ان کے ساتھ شامل ہونے سے گریزاں دکھایا گیا ہے۔عبداللہ اپنی ساری خدمات کے باوجود ان بزرگوں کے ساتھ چلتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ یہ ہے سلف صالحین کے متعلق میرا نقطہ نظر۔افسوس ہے آپ پر کہ آپ نے کیا پڑھا اور دوسروں کو کیا بتایا۔میرے بھائی اپنی تنظیم کے لوگوں کو میری کتاب پڑھنے اور پھیلانے سے روکنا تھا تو مجھ سے کہہ دیتے۔ میں کتاب پر لکھوا دیتا کہ آپ کی تنظیم کے لوگوں کے لیے اس کتاب کا پڑھنا منع ہے۔اس کے لیے بہتان تراشی کر کے اپنی آخرت کو داؤ پر لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آجائے گی؟

۴۔آپ نے ایک عنوان باندھا ہے کہ موسیقی جائز ہے۔اس کے ثبوت میں جنت کی زندگی کا ایک اقتباس بھی دیا ہے۔ غالباً آپ اپنے ان ضعیف الاعتقاد معصوم پیروکاروں پر یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ اس ملعون ابو یحییٰ نے بے پردگی کے ساتھ موسیقی جیسی حرام چیز کو بھی جنت میں داخل کر دیا۔ چہرے کے پردے پر میں نے اس لیے کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ اول یہ علمی مسئلہ ہے اور علمی بحث نہ کرنے کا میں وعدہ کر چکا ہوں۔ دوسرا اس مسئلے میں آپ کے طعنے سہنے کے لیے میرے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ سے لے کر عصر حاضر کے امام ناصر الدین البانی جیسے ائمہ موجود ہیں جو چہرے کے پردے کے قائل نہیں۔

البتہ جنت میں موسیقی پر میں کچھ ضرور عرض کروں گا۔لیکن اس باب میں قرآن وحدیث سے میں ہرگز استنباط نہیں کروں گا کہ میں وعدہ کر چکا ہوں کہ آپ کو کسی علمی مشقت میں نہیں ڈالوں گا۔ اسلاف سے آپ کی محبت دیکھتے ہوئے آپ کو آگاہ کرر ہا ہوں کہ جنت میں موسیقی ہوگی، یہ میرا نہیں اسلاف کا موقف ہے۔ یہ بات امام طبری اور امام ابن کثیر نے اپنی تفسیروں میں آیہ مبارکہ ''فھم فی روضۃ یحبرون ''،(اہل ایمان ایک شاندار باغ میں مسرور ہوں گے،روم30:15)بیان کی ہے۔اب مجھے نہیں معلوم کہ قیامت کے دن خدا آپ کو اس جراءت پر پکڑے گا کہ آپ نے علم کے بغیر کلام کیا یا اس پر کہ جانتے بوجھتے جھوٹ بولا۔

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آ جائے گی؟

۵۔اس پوری تنقید میں آپ نے مرد وخواتین کے تعلق کے حوالے سے بار بار مختلف پیرایوں میں اپنے معتقدین کو بھڑکانے کے لیے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں بے حیائی پر مبنی رویوں کو فروغ دینا چاہتا ہوں۔اس کوشش میں آپ شاید یہ بھول گئے کہ میں جنت کی پاک بستی اور نجات یافتہ پاکیزہ لوگوں کا ذکر کرر ہا ہوں۔

تاہم آپ منفی ذہن سے باہر نکل کر کتاب کو پڑھتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ کتاب میں کئی مقامات پر فحاشی اور بے حیائی کے رویوں کو میں نے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔اس معاملے میں برسہا برس میں جو کچھ میں نے لکھا ہے دنیا بھر میں لوگ اسے پڑھتے اور پھیلاتے ہیں۔میرا موقف اتنا مقبول ہے کہ آپ کی اپنی تنظیم کے لوگوں نے اس برس جب ویلنٹائن ڈے کے خلاف مہم چلائی تو اس عاجز کے کئی برس قبل لکھے ہوئے مضامین کو بنیاد بنایا۔شہر کے بڑے حصے کو جن بینروں سے بھر دیا گیا تھا ان پر بے حیائی کے خلاف لکھے ہوئے جملے یا تو پورے کے پورے

اس عاجز کی تحریروں سے لیے گئے تھے یا پھر ان کا مفہوم لیا گیا تھا۔ عدل وانصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ مجھے بدنام کرنے اور میرے خلاف مہم چلانے کے بجائے اس پورے تناظر میں حسن ظن سے کام لیتے یا مجھ سے براہ راست وضاحت طلب کرتے۔

مگر آپ نے اب یہ کرہی دیا ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ یہی طریقہ واردات استعمال کرکے آپ اپنے کسی درس قرآن میں ولو اعجبك حسنهن (اے نبی آپ بیان کردہ خواتین کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتے چاہے ان کا حسن آپ کے لیے دل پسند ہو، احزاب 52:33) اور هولاء بناتى هن اطهر لكم (یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، ہود 11:78۔ عام قارئین کے لیے عرض ہے کہ یہ جملہ حضرت لوط علیہ السلام نے بستی کے اوباشوں سے اس وقت کہا جب ہوس میں اندھے ہوکر انھوں نے نوجوان لڑکوں کی طلب میں آپ کے گھر پر چڑھائی کردی تھی: ابو یحییٰ) جیسی قرانی آیات پر بھی اسی طرح تبصرہ کیجیے جس طرح مجھ پر کیا ہے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خود اللہ تعالیٰ پر بھی ٹھیک اسی طرح حملے کیجیے جس طرح اس فقیر پر کیے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک عادل انسان ایک جگہ ایک معاملہ کرے اور دوسری جگہ دوسرا معاملہ۔

میں اپنے لکھے ہوئے ایک ایک مقام کو لے کر یہ بیان کرسکتا ہوں کہ وہاں اصل بات کیا بیان ہورہی تھی کس طرح آپ نے صرف مہم جوئی کے شوق میں ان کے غلط مطالب لیے ہیں۔ مگر میں چونکہ وعدہ کرچکا ہوں کہ آپ کو کسی علمی مشقت میں نہیں ڈالوں گا، اس لیے سردست صرف سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ خلاف عدل وانصاف رویے کی کیا توجیہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں گے؟

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آجائے گی؟

۶۔تنقید کرتے ہوئے آپ کے قلم میں اس مقام پر بڑی روانی آ گئی جب آپ حضرت یرمیاہ علیہ السلام کے تذکرے پر تنقید کر رہے تھے۔ میں نے چونکہ آپ کو علمی مشقت میں نہ ڈالنے کا وعدہ کر لیا ہے اس لیے میں ان کے ذکر کی وجوہات اور پس منظر سے صرف نظر کر کے آپ کی توجہ ایک اور حقیقت کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ پورے جوش اور روانی سے جب یہ لکھ رہے تھے کہ عبداللہ کو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملنے کی خواہش نہ ہوئی تو آپ یہ بھول رہے تھے کہ چند صفحات (صفحہ 38-37) قبل عبداللہ نہ صرف ان سے بلکہ دیگر کئی اور نبیوں سے مل کر آ رہا تھا۔

سوال یہ ہے کہ جس شخص کی یادداشت اور قوت مطالعہ اتنی کم ہو، اسے کیا حق ہے کہ وہ تنقید جیسے نازک میدان میں اترے اور اپنی اس کمزور یادداشت اور قوت مطالعہ میں کمی کی بنیاد پر ہدایت پھیلانے والی ایک کتاب پر تنقید کرے۔

ویسے مجھے یہ یادداشت کی کمزوری ہی محسوس ہوتی ہے کہ آپ ڈاکٹر اسرار مرحوم کی ان تمام پرانی تقریروں کو بھول چکے ہیں جن میں انہوں نے سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واضح کیا تھا کہ بخت نصر کے دور میں بنی اسرائیل نے کیا فساد برپا کیا تھا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی تھی۔ اس وقت جو پیغمبر موجود تھے ان کا نام یرمیاہ علیہ السلام تھا۔ سارے بڑے مفسرین اس بات کو بیان کرتے ہیں۔ رہی ''سپر پاور کی غلامی سے نجات کی غیرت مندانہ جدوجہد'' جس کا آپ اپنی تنقید میں بڑے فخر سے ذکر فرما رہے ہیں، قرآن مجید سورہ بنی اسرائیل کی ابتدا میں ان کی حرکتوں کو فساد فی الارض کہتا ہے۔ اس عاجز نے یہ بات بیس پچیس برس قبل ڈاکٹر اسرار مرحوم ہی سے سمجھی تھی کہ بنی اسرائیل کے فساد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کے عذاب کا کوڑا ان کی پشت پر برسا دیا تھا۔

آپ کو شاید احساس نہیں آپ نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔آپ اس فقیر کو اپنے پیروکاروں کی نظر میں بے وقعت کرنے کے شوق میں آسمان و زمین کے مالک اور قرآن نازل کرنے والی ہستی کی نظر میں کس مقام پر آ چکے ہیں۔کوئی عام آدمی یہ کام کرتا تو شاید معافی کی کوئی گنجائش تھی۔مگر قرآن پڑھنے پڑھانے والا یہ کام کرے تو سوچ لینا چاہیے کہ معافی کی کیا گنجائش بچتی ہے۔مجھے حیرت اس شخص پر ہے، جو جانتا ہو کہ بنی اسرائیل آیت 4 میں اللہ تعالیٰ حضرت یرمیاہ کے زمانے کے یہود کے عمل کو فساد فی الارض کہہ چکے ہیں اور وہ بدنصیب انسان اسے ''سپر پاور کی غلامی سے نجات کی غیرت مندانہ جدوجہد'' قرار دے رہا ہو۔مگر اس کریم کا کرم دیکھیے کہ اس فقیر کے ذریعے سے آپ کو توبہ کا ایک موقع دے دیا ہے۔میرے بھائی میں ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ سوچیے !اللہ کے اس حقیر غلام کی مخالفت کے شوق میں آپ کہاں تک پہنچ گئے؟

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آ جائے گی؟

ے۔معاملہ یادداشت کی کمی تک رہتا تو شاید پھر کچھ گوارا تھا، مگر آپ کی یہ تنقید اس بات کا بھی واضح ثبوت ہے کہ آپ اپنے لکھے ہوئے الفاظ کو بھی نہیں پڑھ پاتے۔آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کے درجات یا اجر کا ذکر کہیں نہیں کیا۔لطف یہ ہے کہ صفحہ 75 پر میرا جو اقتباس آپ نے نقل فرمایا ہے اس کی ابتدا ہی میں یہ بیان ہوا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والے لوگ بھی بڑے اعلیٰ اجر کے حق دار ہوئے ہیں۔مگر کیا کیجیے انسان جب مخالفت کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے تو اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے اور کیا ثابت کر رہا ہے۔گرچہ ایسے لوگوں کو قرآن سنانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اتمام حجت کے لیے ان لوگوں کو قرآن کی آیت سنانا ضروری ہے جو دنیا بھر میں عدل اجتماعی قائم کرنے کے علمبردار ہیں:

''ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔''، (مائدہ 8:5)

اگر خدا اور آخرت نام کی کسی حقیقت کو آپ مانتے ہیں تو مجھے نہیں معلوم آج کے بعد آپ کو نیند کیسے آجائے گی؟

آخری بات صرف یہ ہے کہ جو اعتراضات آپ نے نقل کیے ہیں وہ صرف آپ اور آپ جیسے چند اور مہربانوں کے ذہن کی ایجاد ہیں۔ عام لوگوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اصلاح اور ہدایت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ میں شیطان کے خلاف جنگ لڑ رہا ہوں۔ آپ بھی اس کی نصرت و حمایت میں اترنا چاہتے ہیں تو مرحبا۔ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ حسبنا الله و نعم الوکیل۔ نعم المولی و نعم النصیر ۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

abuyahya267@gmail.com

(بدقسمتی سے اس کتاب کی اشاعت تک مجھے میرے خط کا جواب نہیں ملا۔ حالانکہ یہ خط بذریعہ ٹی سی ایس ناقد موصوف کے ہاتھ میں اگلے دن پہنچ گیا تھا۔ مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اسی دوران میں انھی ناقد کے خلاف ایک مذہبی گروہ کی تنقید مجھے ای میل پر ملی۔ اس میں ان صاحب کے سیاسی نظریات کو ''باطل'' قرار دے کر ان کا محاکمہ کیا گیا تھا۔ یہ کیسا مقام عبرت ہے، ابو یحییٰ)

بنی اسرائیل اور مسلمان

(تیسری تحریر)

[یہ تحریر بھی ایک خط ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کے کچھ واقعات کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا۔ یہ واقعات میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' میں بعض مقامات پر بیان کیے گئے تھے۔]

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے بارہویں باب یعنی ''بنی اسرائیل اور مسلمان'' کے بارے میں آپ کے سوالات کچھ بنیادی غلط فہمیوں پر مشتمل ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ میرے ان بیانات کا اصل ماخذ کیا ہے، میں یہ عرض کروں گا کہ ان کا ماخذ سرتا سر قرآن مجید ہے۔قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی آیت چار اور پانچ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے اور بہت سر اٹھاؤ گے۔پس جب ان میں سے پہلی بات کی میعاد آجاتی ہے تو ہم تم پر اپنے زورآور بندے مسلط کر دیتے ہیں تو وہ گھروں میں گھس پڑے اور شدنی وعدہ پورا ہو کے رہا۔''

قرآن مجید نے یہ بات بنی اسرائیل کو مخاطب ہو کر کہی تھی مگر تفصیل سے اس لیے صرف نظر کیا

کہ یہ ان کی تاریخ کے معلوم واقعات ہیں۔ ان کا بچہ بچہ ان سے واقف تھا جیسے ہمارے ہاں لوگ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی سے واقف ہیں۔ تاہم ہمارے بڑے مفسرین جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو بنی اسرائیل کی تاریخ اور ان کے انبیا کے صحیفوں سے وہ پوری تفصیل بیان کرتے ہیں، جسے قرآن مجید نے دو جملوں میں بند کر دیا ہے۔

قدیم مفسرین کے ہاں اس کی تفصیل دیکھنی ہے تو تفسیر ابن کثیر سے رجوع کیجیے یا پھر تاریخ ابن کثیر کو دیکھیے جہاں ان تمام واقعات کی بڑی تفصیل کی گئی ہے۔ اگر اس تفصیل کے ساتھ اس دور کے انبیاء کی تنبیہات کو بھی پڑھنا ہے تو مولانا مودودی کی تفہیم القرآن یا پھر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قصص القرآن کا مطالعہ کیجیے جس میں دیگر انبیا کے ساتھ بخت نصر (جس کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر خدائی عذاب نازل ہوا) کے ہم عصر نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کے مواعظ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ ان آیات میں کی گئی صراحت اور ان مفسرین کی بیان کردہ تفصیلات کے بعد یہ بات کہنا کہ اس یرمیاہ نبی کا نام ہمیں قرآن وحدیث میں دکھاؤ ورنہ ہم نہیں مانیں گے، صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ اعتراض کرنے والا نہ قرآن مجید سے واقف ہے، نہ اصول تفسیر کو سمجھتا ہے اور نہ کسی بڑے عالم کی تفسیر اس نے زندگی میں کبھی پڑھی ہے۔

میں نے یہ تفصیلات پہلی دفعہ بیس برس قبل ڈاکٹر اسرار مرحوم کی مجلسوں میں بیٹھ کر سمجھی تھی۔ یہ تمام تقریریں اب تحریری شکل میں موجود ہیں۔ میں ذیل میں صرف ایک تقریر کا اقتباس نقل کر رہا ہوں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کیا بات فرمائی تھی۔

''بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دو ہزار سالہ دور کا جو نئی امت مسلمہ یعنی امت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی سبق آموزی اور عبرت پذیری کے لیے کافی تھا' کمالِ فصاحت اور غایت اختصار کے ساتھ قرآن حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی چھ (2 تا 7) اور

آخری رکوع کی چار (101 تا104) یعنی کُل دس آیات میں بیان کر دیا گیا ہے' جس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کے زمانے تک بنی اسرائیل پر چار دور گزر چکے تھے:
دو دَور عروج کے' جن کے دوران ان کا طرزِ عمل بھی دینی و اخلاقی اعتبار سے درست رہا اور انہیں دنیا میں عزت و سربلندی بھی حاصل رہی اور وہ کثرتِ اموال واولاد کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات سے بھی بہرہ ور ہوتے رہے ـــــــ اور دو ہی دورِ زوال کے جن کے دوران انہوں نے نفس پرستی اور بغاوت کی روش اختیار کی' جس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور غیر اقوام کے ہاتھوں وہ خود بھی ذلیل وخوار اور مفتوح ومغلوب ہوئے' اور ان کے دینی وروحانی مرکز یعنی ہیکلِ سلیمانی کی حرمت بھی پامال ہوئی۔ تاہم اگر اس کی کسی قدر وضاحت تاریخی اور زمانی ترتیب کے ساتھ کی جائے تو وہ حسب ذیل ہے:

1) ان کے پہلے دورِ عروج کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ اوّل حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کی فتح سے ہوا' اور تقریباً تین سو سال تک نشیب وفراز کے مراحل طے کرتا ہوا یہ دورِ سعادت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عہد حکومت میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا' جو تاریخ بنی اسرائیل کے عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔

2) حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے ساتھ ہی ان کے پہلے دورِ زوال کا آغاز ہو گیا' اس لیے کہ فوراً ہی سلطنت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ بہرحال تقریباً تین سو سال ہی میں عہد زوال بھی اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ چنانچہ اولاً شمال سے آشوریوں نے شمالی سلطنت اسرائیل کو تاخت وتاراج کیا اور بالآخر 587 قبل مسیحؑ میں مشرق (عراق) سے آنے والے بخت نصر (Nebukadnezar) کے حملے نے نہ صرف یہ کہ پوری جنوبی سلطنت یہودیہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا بلکہ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی' لاکھوں افراد کو قتل کیا' چھ لاکھ یہودی مردوں' عورتوں اور بچوں کو بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا ـــــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہیکل سلیمانی کو کلیۃً مسمار کر دیا'

حتیٰ کہ اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں! ـــــ بابل کی لگ بھگ سو سالہ اسیری کا دور بنی اسرائیل کی ذلت ورسوائی کا شدید ترین زمانہ ہے۔(صفحہ نمبر 30-29)

(بحوالہ کتاب: سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری ـــــ ڈاکٹر اسرار احمد)

مذکورہ بالا تحریر اور خاص کر خط کشیدہ الفاظ کو دوبارہ پڑھیے جو خلاصے کہ حیثیت رکھتے ہیں اور مجھے صرف یہ بتا دیجیے کہ میں نے اس سے مختلف کیا بات لکھی ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر اسرار مرحوم ہی کا موقف ہے جسے انہوں نے پوری قوت سے پیش کیا کہ بنی اسرائیل جس طرح دو دفعہ عذاب کی زد میں آئے اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ ہوا اور اس وقت بھی مسلمان حالت عذاب میں ہیں، (وہ کہتے ہیں، ’’اس وقت ہم بحیثیت امت عذاب الٰہی کی گرفت میں ہیں۔‘‘، حوالہ بالہ صفحہ 13)۔ جس کتاب کا میں نے حوالہ دیا ہے اس کا موضوع ہی یہی ہے۔

امید ہے کہ آپ کے اشکالات دور ہو گئے ہوں گے۔

ابو یحییٰ

جن لوگوں کے دلوں میں نفرت ہوتی ہے
وہ نفرت ہی پھیلاتے ہیں
اور جن دلوں میں محبت ہوتی ہے
وہ محبت ہی پھیلاتے ہیں۔(ابو یحییٰ)

نظریہ سازش اور الزامی سوچ کی حقیقت

(چوتھی تحریر)

[اس کتاب کی مناسبت سے قارئین کے سامنے میں اپنی ایک پرانی تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تحریر اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح بڑے اہل علم اور زمانے کو متاثر کرنے والی شخصیات کے خلاف پورے اعتماد سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ میرے لیے اس تحریر کی اہمیت یوں بہت زیادہ ہے کہ میں نے اپنے بریلوی پس منظر کی بنا پر انہیں گستاخ رسول سمجھ کر زندگی میں سب سے زیادہ شیخ محمد بن عبدالوھاب اور ان کے پیروکاروں ہی سے نفرت کی۔ مگر اس تحریر میں شیخ کا دفاع کر کے میں نے اپنے اس گناہ کا مداوا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو درگزر فرمائے۔ ابویحییٰ]

ایک جاسوس کی چشم کشا سرگزشت

حال ہی میں ایک معروف مورخ اور کالم نگار نے روزنامہ جنگ میں ایک جاسوس کی چشم کشا سرگزشت کے عنوان سے تین کالم لکھے۔ یہ کالم ایک برطانوی جاسوس ہمفرے کی ڈائری کے حوالے سے ہے۔ ڈائری یا کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس جاسوس نے اٹھارہویں صدی کے آغاز پر کس طرح مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا بیج بویا۔

نظریہ سازش پر مبنی اس طرح کی چیزوں پر قلم اٹھانا ہماری دلچسپی کا میدان نہیں، مگر روزنامہ جنگ جیسے اخبار میں اس کتاب کا ذکر آجانے کے بعد یہ بات لازمی ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی

تعداد نے زیر تبصرہ کتاب کو انٹرنیٹ پر پڑھ لیا ہوگا۔ ہمارے لیے یہ بات بھی اہم نہیں، مگر سوئے سوءِ اتفاق کہ اس کتاب میں دورِ جدید کے ایک بہت بڑے مصلح کو جس حیثیت میں پیش کیا گیا ہے اور ان کی کردار کشی کرتے ہوئے انہیں ایک زانی، شرابی کے طور پر دکھایا گیا اور ان کے پورے اصلاحی کام کو برطانوی ایجنڈا قرار دیا گیا ہے، اس کی بنا پر ضروری ہے کہ کچھ امور پر اب توجہ دلائی جائے۔

نظریہ سازش

فاضل کالم نگار نے خوف فساد خلق سے ان مصلح کا نام نہیں لکھا لیکن سارے واقفان حال جانتے ہیں کہ اصل کتاب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے کام کی اخلاقی حیثیت کو بری طرح مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے لیے ایک مصلح تو کیا ایک عام مسلمان کی طرف بھی اس طرح کی چیزوں کی نسبت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، مگر ہمارے ہاں نظریہ سازش اس طرح فروغ پا چکا ہے کہ لگتا ہے کہ لوگ ایسی باتوں کو سننے اور بغیر تصدیق کے ماننے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ فاضل کالم نگار نے غالباً کسی بری نیت سے نہیں بلکہ اسی نظریہ سازش کو قبول کرتے ہوئے بہت اطمینان سے اس کتاب پر تین کالم لکھ ڈالے جس کا اپنا متن پکار پکار کر یہ بتا رہا ہے کہ یہ سرتاسر ایک جعلسازی ہے۔ فاضل کالم نگار جو خود ایک مورخ ہیں بڑے اعتماد سے کالم کے آغاز پر فرماتے ہیں۔

> ”میں چونکہ بنیادی طور پر تاریخ کا طالب علم ہوں اس لیے اس کتاب کے مطالعے نے مجھے تھوڑا سا حیران کر دیا۔ حیرانی کے اس عالم میں کتاب میں بیان کیے گئے واقعات کی تصدیق دوسرے واقعات سے کی تو راز کھلا کہ اس میں بیان کیے گئے واقعات وحالات کافی حد تک درست ہیں۔“

ایک مورخ جب اس طرح کی بات کہہ دے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زیر بحث کتاب کو وہ سند تصدیق عطا کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں تاریخی واقعات بہت کم اور ہمفرے نامی جاسوس کے وہ واقعات زیادہ بیان ہوئے ہیں جو اس کی ذاتی روداد ہے۔ ایک تو ذاتی روداد اور وہ بھی ایک جاسوس کی جس کی ساری سرگرمیاں بالکل خفیہ ہوتی ہیں، اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتی کہ دیگر تاریخی واقعات سے ان کی تصدیق کی جا سکے۔

کتاب میں موجود تاریخی غلطیاں

تاہم اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جو اہم ترین تاریخی باتیں بیان ہوئیں وہ آخری درجے میں کتاب کی سچائی کو مشکوک کر دیتی ہیں۔ ہم ان میں سے دو کا ذکر کریں گے۔ ان میں سے پہلی بات عالمی سیاسی حالات کے بارے میں ہے۔ کتاب کے آغاز میں ہمفرے کہتا ہے۔

Our Great Britain is very vast. The sun rises over its seas, and sets, again, below its seas. Our State is relatively weak yet in its colonies in India, China and Middle East.

ترجمہ:

''ہمارا عظیم ملک برطانیہ بہت وسیع و عریض ہے۔ سورج اس کے سمندروں پر طلوع ہوتا اور اسی کے پانیوں پر غروب ہو جاتا ہے۔ تاہم ہماری مملکت انڈیا، چین اور مشرق وسطیٰ میں قائم اپنی نو آبادیوں میں قدرے کمزور ہے۔''

یہ پہلے باب کا آغاز تھا اور دوسرے باب کے آغاز پر یہی صاحب اس زمانے کا تعین بھی خود

ہی کرر ہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

In the Hijree year 1122, C.E. 1710, the Minister of Colonies sent me to Egypt, Iraq, Hijaz and Istanbul to act as a spy and to obtain information necessary and sufficient for the breaking up of Muslims.

ترجمہ:

''سن 1122 ہجری ،1710 عیسوی میں وزارت نوآبادیات نے مجھے مصر، عراق، حجاز اور استنبول میں بطور جاسوس کام کرنے اور وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا جو مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے ضروری تھیں۔''

دو اور دو چار کی طرح اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں سورج برطانیہ کے پانیوں سے طلوع ہو کر اسی کے سمندروں میں غروب ہوتا تھا اور مشرق وسطیٰ ،چین اور ہندوستان برطانیہ کا لونیاں بن چکے تھے، وہ 1710 عیسوی یا اس کے کچھ بعد کا زمانہ ہے۔ تاریخ کا معمولی علم رکھنے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے، کجا یہ کہ برصغیر کی تاریخ کا ایک معروف مورخ اتنی موٹی بات کو نہ سمجھ سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ 1710 سے صرف تین برس قبل یعنی 1707 تک اورنگزیب عالمگیر متحدہ برصغیر کے 1250 ملین مربع میل اور دنیا کی ایک چوتھائی آبادی پر پورے دبدبے کے ساتھ حکومت کرر ہا تھا۔ اس واقعے کے کم و بیش نصف صدی بعد برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو 1757 میں جا کر بنگال میں سراج الدولہ کے مقابلے میں پہلی فتح حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کے ایک صدی بعد 1857 کی جنگ آزادی کے بعد ہی ہندوستان رسمی طور پر تاج برطانیہ کے زیرنگیں آیا۔ جبکہ مڈل ایسٹ میں برطانیہ کا

اقتدار سب سے پہلے مصر میں 1882 میں قائم ہوا۔ رہا چین تو یہ 1842 میں ہوا کہ چین کا جزیرہ ہانگ کانگ برطانیہ کے زیرانتظام آیا اور چین میں پہلی برطانوی نوآبادی قائم ہوئی۔

شیخ محمد بن عبدالوھاب سے متعلق ایک تاریخی غلطی

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ اٹھارہویں صدی کے آغاز پر برطانوی کالونیاں مشرق وسطیٰ، چین اور ہندوستان میں قائم ہوچکی تھیں۔ یہ اصل میں انیسویں صدی کا واقعہ ہے جسے غلط طور پر اٹھارہویں صدی کے آغاز کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ اب آیئے دوسری بات کی طرف۔ ہمفرے کے حوالے سے کتاب میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ وہ 1710 میں استنبول گیا۔ دوسال وہاں رہا اور ایک سال کے بعد بصرہ پہنچا۔ اس طرح یہ سن 1712 یا س 1713 کے لگ بھگ کا زمانہ تھا۔ بصرہ میں اس کی ملاقات شیخ سے ہوئی۔ ہمفرے کے مطابق شیخ عربی، فارسی اور ترکی روانی سے بول رہے تھے۔ عثمانیہ خلافت کے خلاف باغیانہ خیالات کی ترویج کررہے تھے۔ دینی معاملات پر مروجہ تصورات کے خلاف سخت تنقیدیں کرتے تھے۔ علمی بحث ومباحثہ کررہے تھے۔ ہمفرے نے ان سے دوستی کی اور جلد ہی انہیں ایک عورت سے متعہ پرآمادہ کرلیا اور وہ شراب بھی پینے لگے۔

قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ شیخ اپنے آبائی وطن سے ہزاروں میل دور جب یہ سب کچھ کررہے تھے تو ان کی عمر مصدقہ تاریخ کے مطابق صرف 9 یا 10 سال کی تھی۔ انا للہ وہ انا الیہ راجعون۔ تاریخی طور پر شیخ کا سن پیدائش 1703 یا 1704 بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ 1713 میں ان کی عمر صرف نو یا دس برس ہونی چاہیے۔ خیال رہے کہ مصدقہ تاریخی حوالوں کے مطابق بصرہ آنے سے قبل شیخ حجاز اور خاص کر مدینہ میں رہ کر علم کی تحصیل بھی کرتے رہے۔ اس لیے مورخین عام طور پر یہ بات بیان کرتے ہیں کہ بصرہ کا سفر شیخ نے اس وقت کیا جب ان کی عمر بیس

برس سے اوپر کی تھی۔ یعنی یہ واقعہ 1723 کے بعد کا ہے، اس سے پہلے کا نہیں۔

یہ ہے ہمفرے کے دعووں کی حقیقت جس کی بنیاد پر یہ مکروہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ ان دو واقعات کی روشنی میں اس کتاب کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ باآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اسی نوعیت کی اور کئی تاریخی غلطیاں بھی اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل لنک پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

http://www.islamicawakening.com/

viewarticle.php?articleID=1105&pageID=439&

دو توجہ طلب چیزیں

تاہم ہمارے نزدیک اصل توجہ طلب چیزیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری قوم ہر معاملے میں نظریہ سازش قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت کیوں تیار رہتی ہے؟ یہ معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ایک مورخ بھی سوچے اور تحقیق کیے بغیر اطمینان سے لاکھوں لوگوں کو اس سازش کی اطلاع دے دیتا ہے۔ جب ایک مورخ کا یہ حال ہے تو عوام الناس کا معاملہ تو جانے دیجیے۔ اہل علم کا معاملہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کو سچائی سے آگاہ کریں۔ اور سچائی یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی ذلت اور بدحالی میں کسی سازش سے زیادہ علم و اخلاق میں ان کی پستی بنیادی وجہ بنی ہوئی ہے۔ اور تعصب اور جہالت ان کے بیشتر مسائل کی جڑ ہے۔ یہی ہماری بربادی کا اصل سبب ہے۔

دوسری توجہ طلب چیز یہ ہے کہ بدقسمتی سے اس کتاب کو سلفی نقطہ نظر کے مخالفین نے بہت پھیلایا ہے اور متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز شیخ سے حسن ظن رکھنے والوں اور ان کے معتقدین کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوگی۔ لیکن اصل سانحہ یہ ہے کہ شیخ کے اپنے نام لیوا خاص کر برصغیر میں ان سے متاثر مسلمانوں کے دو بڑے گروپ یعنی اہل حدیث اور دیوبندی حضرات یا ان سے متاثر اہل علم اور تنظیمیں بھی اپنے سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والے اہل علم

کے ساتھ کچھ زیادہ مختلف معاملہ نہیں کرتے۔ میں بعض اہل علم کے خلاف چلنے والی مہموں کی تفصیلات اگر یہاں بیان کردوں تو قارئین یہ جان کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ ان مہموں اور ''ہمفرے کے انکشافات'' میں کوئی فرق نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر ان میں اوران کے اکابرین کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں میں اخلاقی طور پر کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے صالحین کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے کہ پروردگار عالم اپنے صالح بندوں کو ہر حال میں ایسے الزام و بہتان سے بچالیتا ہے، مگر الزام لگانے والے یقیناً اس عمل میں اپنی آخرت کھودیں گے۔

رہی دنیا تو ایسی بے سروپا مہموں سے نہ شیخ کے نقطہ نظر کی مقبولیت میں کمی آئی ہے نہ دیوبندی اکابرین کے خلاف کفر وارتداد کے فتووں سے کچھ فرق پڑا ہے۔ نہ مولانا مودودی کی عظمت میں کوئی کمی آئی ہے۔ اس لیے ان سب کے پیروکار اگر یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے اہل علم اور مصلحین کے خلاف جھوٹی مہمیں چلا کر ان کا راستہ روکا جاسکے گا تو یہ ایک غلط فہمی ہے۔ زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ یہ وہ وقت ہوگا جب روز قیامت قرآن مجید ان کے خلاف کھڑے ہوکر گواہی دے گا۔ وہ اللہ کا حکم یوں سنائے گا:

''ایمان والو! اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، انصاف کی گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی بھی تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک، اللہ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔'' (مائدہ 8:5)

اس روز ہر جھوٹے، بہتان طراز اور سنی سنائی بات آگے پھیلانے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے فرقے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ اس لیے کہ جو اللہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں وہ تہذیب کے ساتھ اختلاف تو کرسکتے ہیں، مگر کبھی عدل وانصاف سے ہٹ کر کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتے۔ چاہے وہ ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

حرم پاک اور مسلمانوں کا تفرقہ
(پانچویں تحریر)

[''جب زندگی شروع ہوگی'' کی تصنیف کے بعد اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سفر کی روداد میں نے قلمبند کی تھی۔ مکہ کے قیام کے دوران کا ایک حصہ جس کا تعلق مسلمانوں کے فرقہ وارانہ اختلافات سے ہے قارئین کی نذر ہے۔ اس وقت میری کتاب پر کوئی تنقید سامنے نہیں آئی تھی لیکن اصل مسئلہ یعنی مسلمانوں کا تفرقہ چونکہ میرے دل کا درد ہے اس لیے اس کی عکاسی اس تحریر میں مکمل طور پر نظر آئے گی۔]

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مسجد الحرام میں حرم پاک کے علاوہ جو سب سے زیادہ خوبصورت منظر ہوتا ہے وہ مسلمانوں کا مل کر اپنے رب کی عبادت کرنا ہے۔ حرم کا طواف کرتے، احرام میں ملبوس سعی کرتے اور نماز باجماعت کے وقت ہر رنگ و نسل، ہر زبان و جغرافیہ کے مرد و عورت اپنا ہر فرق بھلا کر یک جان ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے دنیا کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہم ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ وحدت رب اور وحدت آدم کا یہ پیغام دنیا میں کسی اور کے پاس نہیں ہے۔

مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر موجود عدم برداشت نے ان کے فرقہ وارانہ اختلافات کو بہت بڑھا دیا ہے۔ خاص کر برصغیر پاک و ہند میں یہ اختلافات، فتووں اور مناظروں سے گزر کر اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو قتل کرنے، ان کی مساجد پر حملہ کرنے انھیں بدنام کرنے کی

با قاعدہ مہموں تک جا پہنچے ہیں۔

مجھے اس المیے کا احساس اس لیے بھی بہت زیادہ ہوا کہ اسی سفر کے دوران ایک روز جدہ میں میں نے اپنی ای میل چیک کی تو مجھے ہندوستان کے ایک معروف عالم ڈاکٹر ذاکر نائیک کے خلاف ایک خاص مکتبہ فکر سے متعلق لوگوں کی ایک ای میل وصول ہوئی۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ کسی عالم سے اختلاف کیا جائے۔ اختلاف صرف پیغمبر سے نہیں ہوسکتا باقی سب عام انسان ہوتے ہیں۔ مگر یہ اختلاف عناد تک پہنچ جائے۔ کسی شخص کو مجموعہ شر سمجھ کر اس کو بدنام کرنے کی با قاعدہ مہم چلائی جائے، جس کے نتیجے میں مذہبی دہشت گردی کے اس دور میں اس کی جان کو خطرہ ہوجائے، ایک ایسا رویہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی مقبول نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں فرقہ وارانہ تنازعے کی تاریخ

المیہ یہ ہے کہ آج کل فتویٰ سازی اور دوسروں کو بدنام کرنے کی یہ فیکٹریاں زیادہ تر ان لوگوں نے لگا رکھی ہیں جو سب سے پہلے خود اس زیادتی کا شکار ہوئے تھے۔ میری یہ بات تھوڑی تفصیل چاہتی ہے جو قارئین کے لیے دلچسپ نہ سہی عبرت ناک ضرور ہوگی۔

برصغیر میں مذہبی اختلاف کی شدت اس وقت نمایاں ہوئی جب عالم عرب میں شیخ محمد بن عبدالوھاب کی اصلاحی تحریک کے اثرات ہندوستان تک پہنچنے شروع ہوئے۔ یہ تحریک بنیادی طور پر ردشرک و بدعات کی تحریک تھی جس نے اپنے بہت سے نقائص اور افراط وتفریط کے باوجود مجموعی طور پر اس مقدس سرزمین کو توحید کے اس پیغام کا نمونہ بنا دیا جسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے خانوادے اور ان کے متعلقین خاص کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس پیغام کو لے کر ہندوستان میں اصلاحی عمل شروع کیا۔ آہستہ آہستہ یہ فکر عام ہونا شروع ہوئی اور اس نے عوام وخواص کو متاثر کرنا شروع

کیا۔ یہ اصلاحی عمل دو دھاروں میں بٹ گیا۔ ایک وہ جو مکمل طور پر عرب کا اثر قبول کر کے خود کو سلفی یا اہل حدیث کہلانے لگے اور ان کے مخالفین انھیں شیخ محمد بن عبد الوھاب کی نسبت سے وہابی کہنے لگے۔ جبکہ دوسرا نقطہ نظر وہ تھا جس نے فقہ اور تصوف کے معاملے میں ہندوستان کے مروجہ نقطہ نظر ہی کو اختیار کیا اور حنفی اور صوفی شناخت باقی رکھتے ہوئے اصلاح کو قبول کیا۔ یہ لوگ مدرسہ دیو بند کی نسبت سے دیو بندی کہلائے۔ اس اصلاحی عمل میں کچھ تو افراط وتفریط بھی ہوا اور فطری طور پر کچھ مخالفت مروجہ نقطہ نظر کے اہل علم کی طرف سے ہونی ہی تھی سو وہ شروع ہوئی۔ ایسے میں برصغیر میں مروجہ نقطہ نظر کو مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی جیسا جینئس اور جید عالم مل گیا۔ انھوں نے ایک طرف اصلاح کی اس تحریک میں اپنا حصہ ڈالا اور بہت سے صریح مشرکانہ اعمال جیسے قبروں کو سجدہ کرنے وغیرہ کے خلاف آواز اٹھائی، مگر اس کے ساتھ ہی انھوں نے نئے پیدا ہونے والے مکاتب فکر کے اثرات کا مقابلہ کرنے کی زبردست کوششیں کیں۔ خاص کر بارگاہ رسالت کے ادب اور محبت کو موضوع بنا کر اکابرین دیو بند اور اہل حدیث حضرات پر زبردست تنقیدیں کیں۔ ان کی نسبت سے مروجہ نقطہ نظر کے حاملین بریلوی کہلائے جن کے ہاں دیو بندی اور اہل حدیث حضرات کے لیے گستاخ رسول اور منکر درود کی اصطلاحات آج بھی عام استعمال ہوتی ہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوھاب کا تعلق چونکہ عرب کے علاقے نجد سے تھا اس پس منظر میں مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کی ایک مشہور نعت کا شعر آج بھی محافل نعت میں زور و شور سے پڑھا جاتا ہے۔

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی

نجدیوں کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

جبکہ بعض نعت خواں شعر کو زیادہ حسب حال بنانے کے لیے دوسرے مصرعے میں ترمیم

کر کے شعر اس طرح پڑھتے ہیں:

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
''منکرو'' کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

یہاں منکر سے مراد ''منکر درود'' ہے۔ صحیح غلط کی بحث سے قطع نظر بریلوی حضرات کے ہاں یہ اصطلاح اہل حدیث اور دیو بندی حضرات کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ خیر اسی عمل میں مولانا رضا نے دیو بندی حضرات کے بعض نمائندہ اور جلیل القدر علماء مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری کو نبوت کا دعویٰ کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کر کے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ بعد میں انھوں نے علمائے حجاز سے اپنے فتوے کی توثیق کروالی۔ ان علما کے علاوہ اہل حدیث کے نمائندہ عالم شاہ اسماعیل پر ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی بعض عبارتوں کی بنیاد پر پہلے ہی کفر کا فتویٰ آچکا تھا۔

کل کے مظلوم آج کے ظالم

یہ وہ پس منظر ہے جس میں دیو بندی اوراہل حدیث حضرات کے خلاف ایک زبردست ردعمل پیدا ہوا۔ اس دور میں اس ردعمل کی شدت کا اندازہ کرنا ہے تو مولانا ابوالکلام کی حالات زندگی کے حوالے سے دستیاب مواد کا مطالعہ کیجیے......خیر اب مطالعہ کرنے کا وقت کس کے پاس ہوگا۔ میں بطور نمونہ ان کی سوانح حیات کا ایک چھوٹا سا واقعہ پیش کر دیتا ہوں تا کہ اس ظلم کا کچھ اندازہ ہو سکے جو اُس دور کے اصلاح پسندوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔

ابوالکلام کے استاد ایک روایت پسند تھے۔ ان کے علاقے میں کوئی بے چارہ آ گیا جو یہ کہتا پھر رہا تھا کہ شب براءت کا حلوہ کھانا ناجائز ہے۔ انہوں نے ملازموں سے اسے پکڑ کر بلوالیا اور صحن میں مرغا

بنوا کر اس کے جوتے لگوانا شروع کر دیے۔ ہر جوتے پر وہ غالباً اپنا ہی تخلیق کردہ یہ شعر پڑھتے جاتے۔

وہابی بے حیا جھوٹے ہیں یارو

تڑ اتڑ جوتیاں تم ان کو مارو

بہرحال اس طرح کے ظلم سے افکار اور تحریکیں نہیں رکا کرتے۔ چنانچہ آج اہل حدیث اور دیوبندی حضرت اپنی جگہ موجود ہیں۔ تاہم اصل سانحہ یہ ہے کہ خود انھوں نے نئے اہل علم کے خلاف کم وبیش یہی رویہ اختیار کرلیا۔ اس کی ایک مثال مولانا مودودی ہیں جنھیں بڑے پیمانے پر بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی اور ان کی بعض تحریروں اور ان کی شخصیت کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا۔ اس پروپیگنڈے کی تفصیل اب تاریخ کا حصہ ہے یا پھر ان انٹرنیٹ ویب سائٹ کا جو آج بھی ''فتنہ مودودیت'' کے خلاف کام کر رہی ہیں، مگر میں قارئین کی دلچسپی کے لیے صرف ایک واقعہ نقل کر رہا ہوں۔ ایک دفعہ ایک عالم نے کسی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مودودی کو ڈالروں سے بھری ہوئی بوریاں امریکہ سے ملتی ہیں۔ مولانا کے سامنے اس بات کو بیان کیا گیا تو کمال شگفتگی سے بولے: امریکی ڈالر مجھے دیتے ہیں اور وصولی کی رسید ان صاحب کو بھجوا دیتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مولانا کے اپنے نام لیواؤں کی ایک بڑی تعداد کا رویہ نئے اہل علم کے متعلق کچھ زیادہ مختلف نہ ہوسکا۔ معلوم نہیں لوگ تاریخ سے کیوں نہیں سیکھتے۔ امام ابوحنیفہ کو ان کے زمانے میں کس بے رحمی کے ساتھ طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا گیا، مگر آج ہر گردن امام اعظم کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ امام ابن تیمیہ کو گستاخ رسول قرار دیا گیا اور کمال یہ ہے کہ پاکستان میں گستاخی رسول کے خلاف جو قانون بنایا گیا اس میں فقہ حنفی کے پیروکاروں نے اپنے امام اعظم کے نقطہ نظر کو چھوڑ کر امام ابن تیمیہ کے نقطہ نظر کو اختیار کرلیا۔ مولانا مودودی کو ان کی زندگی میں کیا کچھ نہیں کہا گیا، مگر آج دیکھیے کہ ان کے مخالفین بھی کئی معاملات میں اپنا کلاسیکل نقطہ نظر چھوڑ کر

ان کی بولی بولتے ہیں۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔جب کسی کے مرنے کے بعد یہ سب کچھ کرنا ہی ہے تو اُس کی زندگی میں اسے برداشت بھی کرلیا کریں۔

بہرحال میرے نزدیک ہمارے حالات کی خرابی، مذہبی دہشت گردی اور فرقہ بندی کی وجہ یہی عدم برداشت پر مبنی رویہ ہے۔اس میں اصولی اور علمی اختلاف کے بجائے دوسروں کو بدنام کرنے پر زیادہ زور ہوتا ہے اور جس میں جھوٹ، الزام، بہتان، بات کو سیاق وسباق سے کاٹنے، بات کا مطلب کچھ سے کچھ نکالنے کی سوچ وغیرہ سب شامل ہیں۔یہ کام بالعموم بڑے اہل علم نہیں بلکہ کچھ سطحی قسم کے لوگ کرتے ہیں، مگر باقی لوگ خاموش رہ کر اس رویے پر مہر تصدیق ثبت کردیتے ہیں۔اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مذہبی لوگوں کو سیرت طیبہ اور قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے۔انھیں معلوم ہوجائے گا کہ جن چیزوں پر وہ دوسروں کے کفر و گمراہی کے فتوے دے رہے ہیں، ان کا فیصلہ تو اللہ قیامت کے دن کریں گے، لیکن اس اخلاقی رویے کے بارے میں وہ اپنا فیصلہ آج ہی دے چکے ہیں...... اس کی سزا جہنم کی ہلاکت ہے۔ویل لکل ھمزہ لمزہ،(الھمزہ)۔ان الذین فتنو المومنین والمومنات ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق(البروج)۔

تعصب

اندھے پن کی ہر قسم ہی بری ہے

مگر بدترین قسم دل کا اندھا پن ہے اور

یہ اندھا پن تعصب سے پیدا ہوتا ہے،(ابویحییٰ)

آپ فیصلہ کر لیجیے

قرآن کریم اس بات میں بالکل واضح ہے کہ جنت کی کامیابی پاکیزہ انسانوں کو ملے گی، (اعلیٰ 14:87، شمس 9:91، طہٰ 76:20)۔ مگر نفرت اور تعصب کا زہر انسان کی پاکیزگی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے ایمان اور اخلاق دونوں کو آلودہ کر دیتا ہے۔ یہ انسان کو سچائی کو سننے اور قبول کرنے سے روکتا ہے۔ یہ اپنوں کو بھی بے گانہ سمجھ کر ان سے کٹ جانے کا درس دیتا ہے۔ یہ نبیوں کی تکذیب اور ان کے قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کرا دیتا ہے۔ یہ انسانی معاشروں میں نفرت، انتشار، فساد اور قتل و غارتگری کا باعث بنتا ہے۔

اس کے برعکس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی جو تمام انسانیت کے لیے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے، اس کا پیغام محبت اور رواداری ہے۔ یہ اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا سبق دیتی ہے۔ یہ انسانوں کی ہدایت کے لیے تڑپنے سے عبارت ہے۔ یہ حسن اخلاق سے غیر کو بھی اپنا بنانا سکھاتی ہے۔ یہ صبر، تحمل اور دعا سے اللہ کی مدد طلب کرنے کا نام ہے۔

آج ہمارے سارے مسائل کا سبب سیرت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر نفرت، حسد اور تعصب کے شیطانی طریقے کو اختیار کرنا ہے۔ شیطان نے ہمارے باپ اور ماں سے حسد کی، نفرت میں مبتلا ہوا اور اس کا تعصب اتنا بڑھا کہ وہ عالم کے پروردگار کے سامنے سرکش ہو گیا۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں شیطان کی پیروی کرنی ہے یا محبوبِ رحمٰن علیہ السلام کی پیروی کرنی ہے۔ شیطان کی پیروی کی سزا باہمی انتشار، فساد اور ظالم حکمرانوں کا مسلط ہو جانا ہے۔ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا بدلہ دنیا اور آخرت میں رحمت و برکت ہے۔

ہمیں اپنے حالات بدلنے ہیں تو اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ اب آپ ایک فیصلہ کر لیجیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ ظاہر فرما دیں گے۔

ضمیمہ

(اس حصے میں کتاب کے حوالے سے کچھ سولات واعتراضات پر
مبنی خطوط، ای میل اور فیڈ بیک کے جوابات شامل ہیں)

ناول سے متعلق اہم نکات کی وضاحت

آپ کے فیڈ بیک کی روشنی میں

ناول سے متعلق مجھے سب سے زیادہ فیڈ بیک تحسین وتعریف کے موصول ہوئے ہیں۔ یہ اتنے زیادہ ہیں اوران میں جس طرح کی توصیفی باتیں ہیں ان کے متعلق مجھے صرف یہی عرض کرنا ہے کہ ایسی باتوں سے میرے اندر ہمیشہ ایک ہی بات کی یاددہانی پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ہر خوبی اورتعریف کی اصل مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اگر کوئی خوبی کسی بھی قسم کی خوبصورتی پائی جاتی ہے تو وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات جمال وکمال کا ظہور ہوتا ہے۔ باقی مخلوق کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ وہ چاہیں تو مچھر کو بھی استعمال کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اس سے بھی نیچے کی چیزوں کو استعمال کر لیں۔

یہ کسی قسم کی انکساری کا اظہار نہیں بلکہ ایک سچائی کا بیان ہے۔ بلا شبہ خدا کے کمال وصناعی، جمال ورعنائی اور جلال وکبریائی کے آگے مخلوقات کا وجود کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ باقی میں اللہ تعالیٰ کی عنایتوں پر اس کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ گناہ گار سے یہ خدمت لی۔ تمام قارئین سے بھی میری درخواست ہے وہ مجھے اپنے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ناول پر مجموعی طور پر انتہائی پسندیدگی کا فیڈ بیک ملا۔ البتہ بعض قارئین اور احباب کی طرف سے بہتری کے لیے کچھ تجاویز دی گئیں۔ بعض کی طرف سے کچھ سوالات پوچھے گئے اور اکا دکا اعتراضات بھی ہوئے۔ جو تجاویز اچھی تھیں ان کے مطابق نظر ثانی کر دی گئی۔ کچھ میں نے اپنی طرف سے بھی تبدیلیاں کی ہیں۔ البتہ سولات واعتراضات میں سے چند اہم ترین درج ذیل ہیں۔

انسانوں کی پہلی زندگی

جو سوال سب سے زیادہ پوچھا گیا وہ انسانوں کی پہلی زندگی سے متعلق تھا۔ اس حوالے سے جو کچھ

میں نے لکھا تھا ہر شخص نے یہی کہا کہ یہ ان کے دل کی آواز ہے لیکن کیا اس کی کوئی اساس قرآن مجید میں پائی بھی جاتی ہے۔

اس سوال کے جواب میں یہ عرض ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا اس کی اساس بلاشبہ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔ یہ بات کہ انسانوں کو اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی زندگی دی گئی قرآن مجید میں سورہ اعراف آیت 172 میں بیان ہوئی ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک موقع پر ایک ساتھ پیدا کیا جا چکا ہے۔ اس واقعہ کو عام طور پر عہد الست کہا جاتا ہے۔ یہ بات کہ انسانوں کو دنیا کی اس آزمائش میں زبردستی نہیں دھکیلا گیا بلکہ وہ خود کود ے ہیں، یہ بھی قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ سورہ احزاب آیت 72 صاف بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہ بار امانت تھا کہ جب مخلوقات پر پیش کیا گیا تو سب پیچھے ہٹ گئے۔ انسان آگے بڑھا اور اس نے اسے قبول کر لیا۔

یہی دو چیزیں یعنی تمام انسانوں کی ایک ساتھ موجودگی اور انسانوں کا اپنی مرضی سے اس آزمائش کو قبول کر لینا میرے اس استنباط کی بنیاد ہیں جو اس کے بعد میں نے کیا ہے کہ انسانوں نے اس بات کا فیصلہ خود کیا ہے کہ فطرت، امت، دور رسالت میں سے کس سطح کی ہدایت پر رہ کر انہیں امتحان دینا ہے۔ عقل عام کی بات ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کے امتحان یکساں نہیں ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ امتحان اس ہستی کی طرف سے لیا جا رہا ہے جس کا بار بار کہنا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سراپا عدل ہستی انہیں ایک ایسے امتحان میں دھکیل دے جس کے ممکنہ نتائج جہنم جیسے بھیانک نکل سکتے ہوں اور انہیں امتحان کے بارے میں کچھ بتایا جائے نہ ان سے کچھ پوچھا جائے۔ ان سب حقائق کی بنا پر میں نے وہ نقطہ نظر پیش کیا ہے جو ناول میں موجود ہے۔

حوروں کی حیثیت

ناول پر کچھ قارئین کی طرف سے سوال یا اعتراض حوروں کے بیان کے حوالے سے آیا ہے۔ یہ اعتراض کئی پہلوؤں سے کیا گیا ہے۔ میرے لیے ان اعترضات میں کوئی بات نئی نہیں ہے۔ بہت سے

لوگوں کو شاید معلوم نہ ہو مگر اصل میں یہ اعتراض مسیحی اور مغربی فکر کی طرف سے اسلام اور قرآن مجید پر کئے گئے اعتراضات میں سے ایک ہے۔ مسیحی فکر میں آخرت ایک روحانی معاملہ ہے۔ اس روحانی ماحول میں حسین وجمیل خواتین (حوروں) کی موجودگی ایک انتہائی قابل اعتراض بات ہے۔ یہ روحانیت کے بیچ میں رومانویت اور جنسیت کی وہ موجودگی ہے جو کسی سچے آسمانی مذہب میں نہیں موجود ہوسکتی۔ ان معترضین کے نزدیک ایک روحانی انسان کی طرف سے اس قسم کی باتیں اس کا اپنا کردار ہی مشکوک بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح مغربی فکر نے خواتین کو ہر اعتبار سے مردوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ اس پہلو سے بھی مردوں کے لیے اضافی طور پر حوروں کا بیان آج جدید تعلیم یافتہ کسی بھی شخص سے ہضم نہیں ہوتا۔

یہ عاجز برسہا برس سے دین اسلام پر یہ اعتراضات سنتا رہا ہے۔ یہ اعتراض علمی استدلال سے بڑھ کر تضحیک وتعریض کی جس سطح تک جا پہنچتا ہے اس کا اندازہ درج ذیل مصرعہ سے کیا جا سکتا ہے جس میں جنت کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے۔

سہمی ہوئی حوروں کے پیچھے وحشی ملا بھاگ رہے ہیں

ظاہر ہے کہ اس طرح کی چیزوں کی بنا پر بعض سادہ دل مسلمان بھی حوروں کے ذکر سے وحشت محسوس کرتے ہیں۔ اس میں کچھ نہ کچھ قصور ہمارے ہی بعض حلقوں کا ہے جن کا انداز بیان اس طرح کے طنز وتعریض کو جنم دیتا ہے۔ یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ کم از کم قرآن مجید جنت کے حوالے سے حوروں کا بیان ایسے نہیں کرتا جس سے اس طرح کا کوئی تاثر پیدا ہو۔ لیکن کیا قرآن مجید اس تصور سے بالکل خالی ہے؟ قرآن مجید کو گہرائی کے ساتھ سمجھ کر پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ان کا ذکر موجود ہے۔ پروردگار علم کے بیان کے بعد دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے، اس بات کو میں پورے اعتماد کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ بلکہ سماجیات اور نفسیات کا گہرا علم تو یہ بتاتا ہے کہ اس نوعیت کے بیانات اس بات کا ایک

زندہ ثبوت ہیں کہ قرآن مجید ایک آسمانی کتاب ہے جو رب علیم وحکیم کی نازل کردہ ہے۔

اس معاملے میں حکمت کا جو پہلو ہے وہ میں نے ناول کے دو مرکزی کرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں واضح کر دیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں حفظ مراتب کے اصول پر میاں بیوی کے رشتے میں مردوں کو ایک درجہ دیا ہے۔ اسی طرح اس دنیا کی ایک دوسری حقیقت یہ ہے کہ اپنی جسمانی کمزوری اور معاشرتی حالات کی بنا پر عام طور پر خواتین معاشی اور جسمانی طور پر اپنے تحفظ کے لیے عملاً مردوں کی محتاج ہوتی ہیں۔ جنت میں یہ صورتحال باقی نہیں رہے گی۔ خواتین مردوں کی بیویاں تو ہوں گی لیکن ہر اعتبار سے ان کے برابر ہوں گی اور کسی پہلو سے ان کی محتاج بھی نہیں ہوں گی۔ البتہ مرد جس پہلو سے دنیا میں ان کے محتاج تھے، جنت میں بھی رہیں گے۔

مردوں کا یہ مسئلہ مغربی فکر کے پیدا کردہ اعتراض کا جواب بھی ہے۔ وہ مرد و زن میں جس مساوات کے علم بردار ہیں وہ جنت میں پوری طرح موجود ہوگی، لیکن اس کے نتیجے میں خواتین کے نہیں بلکہ مردوں کے حقوق کے حوالے سے مسئلہ ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ اعتراض کہ مردوں کے لیے اضافی طور پر حوروں کا بیان ناانصافی پر مبنی ہے ہماری اس وضاحت کے بعد باوزن نہیں رہتا۔ پھر مزید یہ بھی واضح رہے کہ مرد و عورت کی نفسیات کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ دونوں نفسیاتی طور پر مختلف واقع ہوئے ہیں۔ خواتین کی بنیادی نفسیاتی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسری خواتین کے درمیان نمایاں اور توجہ کا مرکز ہوں اور انہیں اہمیت ملتی رہے۔ یہ مقام جنتی خواتین کو حوروں کی موجودگی کے باوجود اس لیے حاصل رہے گا کہ جنت انہوں اپنے عمل سے کمائی ہے۔ ان کا اسٹیٹس، ان کی خوبصورتی ظاہر ہے حوروں سے برتر ہوگی۔ اس بنا پر کی مرکزی حیثیت اور مقام کوئی نہیں لے سکتا۔ مردوں کے مسائل البتہ خواتین سے کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ میں نے اس فرق کو اس جملے سے واضح کیا تھا کہ مرد عورتوں کے لیے ضرورت ہوتے ہیں اور عورتیں ان کے لیے ضرورت سے بڑھ کر ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہیں۔ اس معاملے کی تفصیلات پر یہ عاجز پردہ ہی ڈلا رہنا مناسب سمجھتا ہے۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ خواتین کو

میڈیا اور اشتہارات میں بے دریغ استعمال کر کے اس حقیقت کو جتنا مغربی تہذیب نے بے پردہ کیا ہے شاید انسانی تاریخ میں کسی نے نہیں کیا۔

سچی بات یہ ہے کہ اس عاجز نے اگر حوروں کے بیان میں اگر اتنی تفصیل کی تو اس کے اصل مخاطب ہمارے وہ نوجوان ہی تھے جو فحاشی، عریانی اور طرح طرح کی بے ہودگیوں کے اس ماحول میں جی رہے ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا اور سب سے بڑھ کر انٹرنیٹ پر جس طرح خواتین کے جسم اور شکل کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے، قرآن مجید پر اعتراض کرنے والے لوگ پہلے اس ''عورت فروشی'' کو بند کروا کے دکھا دیں۔ جب یہاں آزادی کے نام پر اس کو جائز قرار دے دیا گیا ہے تو پھر قرآن مجید پر اعتراض کا کیا موقع باقی رہ جاتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو اعتراض کرنے والے لوگ نادانستہ طور پر قرآن مجید کی آپ تصدیق کر رہے ہیں۔ انہوں نے تو خواتین کو استعمال کر کے یہ بتا دیا ہے کہ مردوں کی اصل کمزوری یا ان کے مسائل کیا ہوتے ہیں اور وہ کس طرح خواتین سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور اس معاملے میں عین مساوات کا مطالبہ غیر فطری ہے۔

یہی انسانی نفسیات ہی وہ چیز ہے جو مسیحی فکر کے اعتراض کا جواب بھی ہے۔ قارئین کی یاددہانی کے لیے عرض کرتا چلوں کہ مسیحی فکر کا اعتراض یہ تھا کہ جنت کے روحانی ماحول میں حوروں کا ذکر ایک نامناسب بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ روحانیت اگر ایسے ہی ضائع ہو جاتی ہے تو بے چاری حوروں پر الزام دھرنے کے کیا معنی ہیں، یہ ''روحانیت'' تو جنتی خواتین کی موجودگی ہی غارت کر دے گی۔ اب یا تو وہ جنت سے بھی خواتین کو نکالیں یا پھر ان کو مجبور کریں کہ وہاں بھی وہ راہباؤں کی زندگی گزاریں۔

قرآن مجید ایسی کسی روحانیت کا قائل نہیں۔ نہ اس کی روحانیت کسی خوبصورتی اور جمالیات سے ضائع ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہر خوبصورتی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ وہ ہمیں ہمارے رب سے قریب کرتی ہے۔ اس کی شکر گزاری کا موقع دیتی ہے۔ بس ہم اس کی حدود میں رہ کر ان سے استفادہ کریں۔ میں کبھی بخاری و مسلم کی اس دعا کو دہراتا ہوں تو اسلام کے تصور روحانیت پر حیران رہ

جاتا ہوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو تعلق زوجین کے موقع پر ایک دعا (اللھم جنبنا و جنب الشیطن ما رزقتنا) کی تعلیم کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلام نے تو روحانیت کا تصور بدل ڈالا ہے۔ یہ ترک دنیا، ترک جمالیات اور ترک لذات کا نام نہیں۔ یہ ان سب چیزوں کے درمیان رہ کر رب کو یاد رکھنے کا نام ہے۔ یہی دنیا میں ہمیں سکھایا گیا ہے اور یہی ہمارا تصور جنت ہے جو قرآن مجید ہمیں عطا کرتا ہے کہ وہاں رب بندے اس کی حضوری میں جیئیں گے اور اس کی نعمتوں سے استفادہ کر کے اس کا شکر بجالائیں گے۔

ان وجوہات کی بنا پر میرا یہ واضح نقطہ نظر ہے کہ حوروں کا مطلب وہی ہے جو قرآن مجید کے بیانات سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی یہ حوریں دیگر نعمتوں اور انعامات کے علاوہ بطور انعام اہل جنت سے بیاہی جائیں گی، (دخان 54:44،طور 20:52)۔ قرآن مجید نے ان کے جمال و خوبصورتی کو کئی مقامات پر باہتمام بطور نعمت بیان کیا ہے (واقعہ 56:23-22، رحمٰن 55:72-69)۔ قرآن مجید کے اسالیب و بیانات واضح کرتے ہیں کہ یہ عام اہل جنت خواتین نہیں ہوں گی بلکہ ان سے ہٹ کر وہ خواتین ہوں گی جو اہل جنت کو بطور انعام و نعمت عطا کی جائیں گے اور پہلی دفعہ مردوں سے بیاہی جارہی ہوں گی (رحمٰن 55:74) وغیرہ۔

رومانویت اور مزاح پر اعتراض

بعض قارئین کی طرف سے ناول میں بیان کیے جانے والے مزاح اور رومانویت کے بعض لطیف پہلوؤں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں ان پہلوؤں پر کلی طور پر تو شاید کسی کو بھی اعتراض نہ ہو، اس لیے کہ یہ انسانی زندگی کے ایسے پہلو ہیں جن پر عقلاً اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انسانی وجود کی ناگزیر لطافتیں ہیں جنھیں ہٹانے کے بعد انسان انسان نہیں رہتا۔ یہ لطافتیں اس دنیا میں بھی ناگزیر طور پر پائی جاتی ہیں اور جنت میں تو بدرجہ اولیٰ ہوں گی۔ شاید اصل اعتراض کا سبب یہ ہے کہ یہ لطیف چیزیں ناول کے مرکزی کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔

اس حوالے سے دو تین گزارشات پیش ہیں۔ پہلی یہ کہ میری اصل ترجیح یہ تھی کہ ناول کے صفحات کم سے کم رکھے جائیں تاکہ کتاب بیزاری کے اس دور میں لوگ کسی ضخیم کتاب کو دیکھ کر ہی نہ چھوڑ دیں۔ اس لیے کردار کم سے کم رکھے گئے ہیں۔ اس بنا پر مزاح، رومانویت یا اسی نوعیت کی دیگر لطیف چیزیں اگر بیان ہوئی ہیں تو انھی مرکزی کرداروں کے ذریعے سے بیان ہوئی ہیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ یا تو جنت سے ان لطیف احساسات کو نکالا جاتا یا پھر مزید کردار تخلیق کیے جاتے۔ پہلی صورت میں جنت ایک کثیف مقام بن جاتی اور دوسری صورت میں میں ناول ایک ضخیم کتاب بن جاتا۔

رہی یہ بات کہ کیا کسی اعلیٰ سطح کے انسان میں جو اللہ کی قربت کے اعلیٰ مقام پر ہو اس نوعیت کے کسی لطیف جذبے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس حوالے سے عرض یہ ہے کہ یہ ہمارا تصور تو ہوسکتا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے اس حوالے سے ذاتی زندگی میں بڑے دلچسپ تجربات پیش آئے ہیں۔ میں ایک بہت معمولی سا طالب علم ہوں جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف بات سمجھانے کے لیے یہ مثال پیش کررہا ہوں۔ میرے ایک عزیز رفیق اور اسٹوڈنٹ نے ایک دفعہ مجھے بازار سے سبزی خریدتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ آپ کو یہ کرتے ہوئے دیکھ کر بہت عجیب لگتا ہے۔ ایک اور صاحب نے ایک دفعہ دوران گفتگو بعض بڑے اہل علم کا نام لے کر مجھ سے یہ کہا کہ یقین نہیں آتا کہ ان لوگوں کو بھی رفع حاجت کے لیے بیت الخلا جانا پڑتا ہوگا یا یہ لوگ بھی اولاد اسی طرح حاصل کرتے ہوں جس طرح دوسرے انسان کیا کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ہمارا تصور تو ہوسکتا ہے، مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اس حقیقت کو قبول کرنے میں مانع ہونے والی چیز جنت کا وہ مسیحی تصور ہے جو پیچھے بیان ہوا ہے۔ یعنی جنت سرتاسر ایک روحانی مقام ہے جہاں کسی مادی، جبلی اور لطیف انسانی جذبے کی شاید گنجائش نہیں۔ وہاں تو بس ہر طرف اللہ ھو کا ورد ہوگا اور بس۔ ظاہر ہے اس بات کا کم از کم دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دین اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ اس نوعیت کی غلط فہمیاں دور کرے۔ اسی مقصد کے لیے میں نے

جنت کے ذکر میں ایک بازار کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ایسی چیزوں کا تذکرہ احادیث میں بھی آیا ہے اوران سے یہی بتانا مقصود ہے کہ وہاں کی زندگی ایک بہت اعلی زندگی ہوگی، لیکن ان انسانی دلچسپیوں سے کلی طور پر خالی نہیں ہوگی جو آج ہمیں اس دنیا میں نظر آتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے بعد انسان کے منفی جذبات تو اس کے وجود سے دھوکر الگ کردیے جائیں گے، مگر انسان کی فطرت اور طبیعت نہیں بدلے گی۔انسان فرشتہ نہیں بن جائے گا بلکہ ان کی انسانیت پوری طرح باقی رہے گی۔

بہترین انسان وہ ہے جو مسائل حل کرتا ہے

اور بدترین وہ ہے جو مسائل پیدا کردیتا ہے

(ابویحییٰ)

خوش ہونا ہے تو تعریف سنیے

اور بہتر ہونا ہے تو تنقید سنیے (ابویحییٰ)

وقت کی بربادی کی سب سے بڑی وجہ

اس کام کا آغاز ہے جسے آپ پورا نہ کریں (ابویحییٰ)

نوعمر بچوں کا انجام اور انسان کی پہلی زندگی

[ایک بہن مصنف کے اس نقطہ نظر کا پس منظر جاننا چاہتی تھیں جو غلمان کے حوالے سے انھوں نے بیان کیا تھا۔ اسی طرح وہ مصنف کی اس رائے کی وجہ بھی جاننا چاہتی تھیں کہ انسان اس دنیا میں ہدایت کی جس سطح پر ہے، اس کا انتخاب اس نے خود کیا ہے۔ مصنف نے دو ای میل میں ان کو جواب دیا ہے۔ پہلے میں ذرا اجمال تھا جو دوسرے میں کھول دیا گیا ہے۔ یہ دونوں ای میل قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔]

پہلا ای میل

تاخیر کے لیے معذرت لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں انتہائی مصروف تھا۔ آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

1۔ پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اس مسئلے پر اہل علم کے مابین بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور بالخصوص ان بچوں کے بارے میں جو منکرین کے ہاں پیدا ہوتے ہیں اور بچپن ہی میں انتقال کر جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے آپ مندرجہ ذیل لنک ملاحظہ فرمائیے

hp/wwwurdyaneforum/showpostphp?s=847dd4586ce19763d36271ee5b0&p=59145&postcount=4

میں نے اپنی رائے اُن اہل علم کے مطابق قائم کی ہے جو ان بچوں کے لیے جنت کے قائل ہیں۔ میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ وہ جواز مہیا کیا ہے جس کی بنیاد پر یہ بچے جنت میں جائیں گے۔ اور یہ جواز سرتاسر مالک حقیقی کی رحمت، عدل اور اسکی حکمت کی صفات پر مبنی ہے۔ اگر آپ کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل موجود ہے تو آپ مجھ سے اختلاف کر سکتے ہیں۔

2۔ قرآن سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کل انسانیت نے مجموعی طور پر دنیا کی

اس آزمائش کو خود قبول کیا تھا جیسا کہ سورہ احزاب میں بیان ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے بہت واضح طور پر بیان کی ہے کہ انھوں نے انسان کو زبردستی اس امتحان میں مبتلا نہیں کیا ہے اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہوسکتے ہیں۔

اس طرح اس بات کو ماننا بھی ایک عقلی تقاضہ ہے کہ ہدایت کس کو کتنی ملنی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ زبردستی طے نہیں کرتے۔ ورنہ ابوجہل حشر کے دن یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ میرے ساتھ ناانصافی تھی کہ مجھے پیغمبر کے زمانے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ اس لیے کہ پیغمبر کے انکار کی سزا سب سے بدتر ہے۔ اگر مجھے اُس زمانے میں نہ بھیجا جاتا تو کم از کم میری سزا تو کم ہوتی یا ہوسکتا ہے کہ میں اسلام ہی قبول کرلیتا۔ یہی بات جزا کے بارے میں بھی درست ہے۔ آج کے زمانے کا سب سے نیک انسان بھی حضرت ابوبکرؓ کی برابری نہیں کرسکتا۔ اس بات کو بھی کوئی نیک انسان چیلنج کرسکتا ہے کہ اسے پیغمبر کے زمانے میں پیدا نہ کرکے اس کا اجر کم کردیا گیا ہے۔

اس لیے میری عاجزانہ رائے اس بارے میں یہ ہے کہ ہر انسان کی ہدایت اور آزمائش کا درجہ بھی اُس کا خود کا چنا ہوا ہے۔ یہ بات قرآن سے اس طرح واضح ہوتی ہے کہ نہ صرف وہ یہ بیان کرتا ہے کہ انسان نے خود آگے بڑھ کر اس امانت کا بوجھ اٹھایا تھا بلکہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ہر انسان اُس وقت انفرادی طور پر موجود تھا۔ اس لیے بظاہر کوئی وجہ اس بات میں مانع نہیں کہ ہر انسان کو یہ اختیار بھی دیا جاتا کہ وہ اپنی آزمائش کا درجہ بھی خود چن لے۔ یہی سبب ہے کہ جن لوگوں نے زیادہ اجر کی وجہ سے سخت آزمائش کا انتخاب کیا تو اُن کے لیے سزا بھی نتیجتاً سخت ترین ہے جیسا کہ رسولوں کے زمانے کے لوگ۔ یہ میرا نقطہ نظر ہے جو کہ میں نے قرآن کے ان نظائر کی بنیاد پر قائم کیا ہے لیکن اس سے اختلاف کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔

دوسرا ای میل

میرے اس جواب پر بہن نے اپنے نقطہ نظر پر اصرار کیا جس کے بعد میں نے اپنی بات کی کچھ اور وضاحت کی جو درج ذیل ہے۔

دیکھیے جو نقطہ نظر آپ بیان فرما رہی ہیں وہ اس شخص کے لیے تو یقیناً قابل قبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل پر مکمل ایمان و یقین رکھتا ہو مگر جو شخص اعتراض کرنے کی جگہ پر آ جائے یہ جواب اسے بالکل مطمئن نہیں کرسکتا۔ اس بات کو مثال سے یوں سمجھیں کہ کسی برس مقابلے کے امتحان میں امیدواروں کے ایک گروپ کا امتحان لیتے وقت انہیں ایک ہی پرچہ دینے کے بجائے الگ الگ پرچے دیدیے جائیں اور ان میں سے بعض کے پرچے انتہائی سخت ہوں اور بعض نرم تو لازماً کہا جائے گا کہ یہ عدل نہیں ہوا۔ جب تک کہ اس عمل کی کوئی معقول وجہ بیان نہ کی جائے۔ اب اس عمل کی ایک ہی معقول اور قابل قبول وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ الگ الگ پوسٹ کے امیدوار تھے تبھی سب کو الگ الگ پرچہ دیا گیا۔

اب یہ سمجھیے کہ اس دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کسی شخص کے اچھے برے حالات کو چھوڑ دیجیے کہ اس پر آخرت کی نجات منحصر نہیں اصل مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ بعض لوگ ہدایت کے لحاظ سے ایسے حالات میں پیدا ہوتے رہے ہیں کہ ایمان قبول کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ وہ ایمان قبول نہیں کریں گے تو آخرت میں لازماً مارے جائیں گے۔ مثال کے طور پر انبیا کے زمانے میں جو لوگ پیدا ہوتے ہیں بالعموم ان کا آبائی مذہب شرک ہوتا ہے جس سے انہیں گہرا تعصب ہوتا ہے۔ اب ایک طرف نبی اور رسول ہے جس کی بات نہ ماننے کا نتیجہ جہنم ہے اور دوسری طرف اپنا تعصب ہے جسے چھوڑنا انتہائی مشکل ہے۔ مزید یہ کہ ایمان لانے کی شکل میں زبردست آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ یہ کتنا سخت امتحان ہے۔ اس کے برعکس میں اور آپ پیدائشی مسلمان ہیں۔ ایمان قبول کرنا ہمارے لیے سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اب

سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن کسی نبی کے انکار کرنے والے کے لیے اگر اس کے کفر کی بنیاد پر جہنم کا فیصلہ سنا دیا جائے تو وہ سوال کرے گا کہ آپ نے مجھے اتنا مشکل امتحان دیا ہی کیوں تھا۔ مجھے بھی کسی مسلمان کے گھر پیدا کر دیا ہوتا تا کہ میں اس سخت آزمائش میں پڑتا ہی نہیں۔ اب جواب میں اسے یہ بتایا جائے کہ اللہ کے علم و حکمت کا تقاضہ تھا کہ تمھیں اسی دور میں پیدا کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے سوال کا جواب نہیں ہے۔ وہ صاف کہے گا کہ میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی کی گئی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہستی سے زیادہ عدل کرنے والا کوئی نہیں نہ اس کی کسی سے رشتے داری ہے۔

میری بہن یہ ہے وہ سوال جو برسہا برس سے لوگ مجھ سے کرتے رہے ہیں۔ اس کا کوئی معقول جواب ہمارے ہاں نہیں دیا جاتا۔ اس عاجز طالب علم کے سامنے اب ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جن کے مطابق اللہ تعالیٰ بار بار کہتے ہیں کہ وہ نہ صرف عدل کرنے والے ہیں بلکہ کسی پر رائی کے دانے کے برابر ظلم کرنے والے نہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ایک ملتے جلتے معاملے میں ہمیں ایک اصولی اطلاع دے دی ہے کہ انسانیت اس امتحان میں بالجبر نہیں بھیجی گئی بلکہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے سامنے ارادہ و اختیار کی یہ امانت پیش کی تھی۔ تمام مخلوقات نے اس پیشکش کو رد کر دیا تھا مگر انسان نے اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ سورہ احزاب کی آخری آیت میں لیعذب اللہ المنافقین ...... کے الفاظ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ سزا جزا برپا ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ انسان نے اپنی مرضی سے یہ سب قبول کیا ہے اور پھر اس کے تقاضے نہیں نبھائے۔

یہ مقام اگر انسانیت کے بارے میں مجموعی طور پر ایک بات بیان کرتا ہے تو یہ اشارہ بھی کرتا ہے کہ انفرادی طور پر بھی یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بالجبر افراد کو مختلف نوعیت کے امتحان میں

ڈال دیا ہو بلکہ ان سے یقیناً ان کی مرضی لی گئی ہوگی۔اس کی تائیداس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن کے مطابق تمام اولاد آدم کو پہلے ایک دفعہ پیدا کیا جا چکا ہے۔

یہی وہ بات ہے جسے میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔کہ جس طرح انسانیت کو بالجبر دنیا میں دھکا دے کر نہیں بھیجا گیا اسی طرح افراد کا معاملہ ہوا ہوگا۔بعض لوگوں نے جب انبیا کا ساتھ دینے کا اجر دیکھا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ بے دریغ اس امتحان میں کود پڑے۔یہ سوچے بغیر کہ نہ ماننے کی شکل میں عذاب بھی ایسا ہی ہوگا۔اسی پر اللہ کا یہ تبصرہ ہے کہ انہ کان ظلوما جھولا ۔یعنی اجر دیکھا مگر یہ نہیں دیکھا کہ عذاب کیسا ہوگا۔مگر اب تم اس امتحان میں کود گئے ہو تو بہر حال میرا قانون تو حرکت میں آئے گا اور منافقین ومشرکین کو عذاب اور اہل ایمان کو اجر مل کر رہے گا۔یہ ہے میرے نزدیک اس آیت کی درست تاویل اور یہ ہے اس اعتراض کا جواب۔ میرے نزدیک اس کو نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے عدل پر زبردست سوالات پیدا ہو جائیں گے۔

تاہم میں پھر عرض کر دوں کہ یہ میرا نقطہ نظر ہے۔آپ چاہیں تو اسے نہ مانیں لیکن پھر اس سوال کا کوئی معقول جواب آپ کو دینا ہوگا۔صرف ایمان کے بیان سے کام نہیں چلے گا۔اب وہ زمانہ نہیں کہ ایمان کی بات کر کے لوگوں کو خاموش کرا دیا جائے۔اب ہمیں سوالوں کے معقول جواب دینا ہوں گے۔

والسلام علیکم

مخالف کو جنگ اور دلیل کے میدان میں شکست دینا بھی کامیابی ہے **مگر اسے اخلاق کے میدان میں شکست دینا زیادہ بڑی کامیابی ہے (ابو یحییٰ)**

امتحان کی مختلف قسمیں

[ابویحییٰ صاحب کی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے ایک سوال پر یہ مکتوب تحریر کیا گیا۔ مکتوب الیہ اور بعض دیگر اہل علم کے نام باوجوہ حذف کردیے گئے ہیں، ادارہ۔]

برادر عزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ ہماری گفتگو تشنہ رہی۔ لیکن اب یہ ممکن ہے کہ آپ کے اشکالات پر میں اپنا نقطہ نظر تفصیل سے بیان کردوں۔ یہ ویسے بھی مولانا۔۔۔۔۔۔ کا مجھ پر ایک ادھار ہے کہ اصل میں یہ اعتراض انہی کا تھا۔ چنانچہ واپس آکر میں نے ان کی اس تحریر کو تلاش کیا جو ماہ اپریل میں آپ کے توسط سے مجھے ملی تھی، مگر ''قران کا مطلوب انسان'' اور ''تیسری روشنی'' کی اشاعت اور کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر میں ابھی تک اس تحریر کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ آج اسے دیکھا تو وہ اعتراض واضح طور پر سامنے آگیا جو ''جب زندگی شروع ہوگی'' میں میرے بیان کردہ اس نقطہ نظر پر اٹھایا گیا ہے کہ اس دنیا میں اگر انسانیت کے بعض گروہوں کا امتحان جدا جدا ہے تو یہ دراصل ان کا اپنا انتخاب ہے، (صفحہ 80-81)۔

میں آپ کے یا مولانا۔۔۔۔۔۔ صاحب کے اعتراضات کا بعد میں جواب دوں گا پہلے اپنا نقطہ نظر کچھ وضاحت سے پیش کرنا چاہوں گا کیونکہ میرا تاثر ہے کہ میری بات اور دلائل کو پوری طرح سمجھا ہی نہیں گیا۔ جب بات سمجھی ہی نہیں گئی تو کسی بھی قسم کی تردید اکثر اپنے اور دوسرے کے وقت کا زیاں بن جاتی ہے۔ اس گنہہ گار پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنی علمی اور

تحقیقی زندگی کی ابتدا ہی میں یہ اصول سمجھ لیا تھا کہ جب کسی پر تنقید کرنا مقصود ہو تو پہلے مرحلے پر اس کا نقطہ نظر پوری ہمدردی کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔ اس طرح کہ جب ہم اس کا نقطہ نظر بیان کریں تو وہ بھی کہہ اٹھے کہ بالکل درست بات بیان کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے سوال کر کے بات کو سمجھا جاتا ہے۔ پہلے مرحلے پر ہی اگر سوال کے بجائے اعتراض شروع ہو جائے تو پھر ختم نہ ہونے والی بحث شروع ہو جاتی ہے جس کا کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس دنیا میں انسانی گروہوں کا امتحان یکساں نہیں۔ یہی وہ بات ہے جس سے میں نے اپنی کتاب میں یہ گفتگو شروع کی ہے۔ مگر اگلی بات جو ایک مسلمہ اور معلوم حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ امتحان میں اختلاف کی نوعیت یہ نہیں کہ جن نمائندہ گروہوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان سب کو بالکل الگ الگ پرچہ امتحان دے دیا ہے۔ بلکہ پہلے گروہ کو جو امتحان دیا گیا ہے، اگلے کو اسی کو مشکل تر کر کے دے دیا گیا ہے۔ یعنی عام انسان جو نبیوں کی امت میں پیدا نہیں ہوئے ان کا امتحان فطرت میں موجود عقیدہ توحید اور خیر و شر کے تصورات کے مطابق زندگی گزارنا ہے تو ایسا نہیں کہ اگلے گروہ کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اگلا گروہ یعنی نبیوں کی امت کو ان کے ساتھ اگلا امتحان شریعت کی پاسداری کا بھی درپیش ہے۔ وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق اخلاقی رویہ کو بھی اپنائیں گے اور شریعت کے ضوابط و قواعد کی پابندی بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ اس سے اگلا گروہ یعنی انبیاء کے زمانہ پانے والوں کی اصل ذمہ داری اگر یہ ہے کہ وہ نبیوں کی تصدیق، تائید اور نصرت ہر حال میں کریں تو ساتھ میں اخلاقیات اور شریعت کے مطالبات سے بھی انہیں کوئی استثنا حاصل نہیں ہے۔

اب اپنی بات سمجھانے کے لیے میں تینوں گروہوں کے کاملین کو لے لیتا ہوں۔ یعنی پہلے گروہ کا کامل شخص وہ ہوگا جو اپنے روایتی نقطہ نظر سے اوپر اٹھے گا اور توحید کو مان لے گا پھر ایک اعلیٰ

اخلاقی رویے کے مطابق زندگی گزارے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ اس تک شریعت کی رہنمائی پہنچی نہ وہ اس کے مطابق عبادات اور دیگر مطلوب اعمال کو اختیار کرے گا۔ یہی معاملہ نبی کے ایک امتی کا ہوگا کہ وہ کامل درجے پر اخلاقیات اور شریعت کے تقاضوں پر عمل کر بھی لے، اپنے فرقہ وارانہ تعصب سے اوپر اٹھ کر نبی کی تعلیم کے مطابق زندگی گزار بھی لے، تب بھی اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کی اس وقت تصدیق کرے جب دنیا اسے گلی بازاروں میں چلنے پھرنے والا، کھانے پینے والا ایک عام بشر مانتی تھی۔ نبی تو اس کا پیدائشی ہیرو اور اس کا تعصب ہے۔ وہ بہت تیر مارے گا تو بہت سے تصورات کی نفی کر کے نبی کی اصل بات تک جا پہنچے گا۔ ساتھ دے گا تو کسی ایسے ہی عالم کا دے گا جو اللہ کے نبی ہی کے نام پر کھڑا ہوگا۔ مگر پھر بھی نبی پہلے دن سے اس کا تعصب اور اس کی محبت ہوگا۔ جبکہ صحابی اس وقت نبی کی تصدیق کرتا ہے جب دنیا اسے کذاب، جادوگر، شاعر اور مجنون کہہ رہی ہوتی ہے۔ جب نبی اس کے تمام معبودوں کو معبودان باطل قرار دے رہا ہوتا ہے۔ نبی اس کے مصدقہ دینی معمولات کو جھوٹ کا پلندہ اور اس کے اسلاف کے طریقے کو گمراہی کا راستہ قرار دے رہا ہوتا ہے۔ ایسے میں نبی کی تصدیق وہ عمل ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بھی بلاشبہ بہت بڑا عمل ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو میرے اور آپ جیسے کسی شخص کے لیے کرنا کسی صورت آج ممکن ہی نہیں الا یہ کہ کوئی نیا نبی آجائے اور یہ دروازہ اب قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے۔

اب یہ فرمائیے کہ ان تینوں گروہوں کے کاملین کا اجر اگر برابر ہو تو اس سے بڑی زیادتی کیا ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو اخلاقیات کی پیروی کتنے ہی اعلیٰ طریقے پر کر رہا ہو؛ وہ اس کے برابر ہو جائے جو بہترین اخلاقی رویے کے ساتھ شریعت کے تقاضوں کی مشقت جھیلتا اور کثرت عبادت و ذکر سے لمحے لمحے میں خدا کا قرب ڈھونڈ رہا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت اور اخلاقیات میں آج کا بہترین امتی اس صحابی کے برابر ہو جائے جو ان دونوں میں کمال رکھنے کے

ساتھ داخل کے ہر تعصب اور خارج کی ہر مخالفت کو جھیل کر وقت کے نبی کا ساتھ دے رہا ہو۔

ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم میٹرک، انٹر اور گریجویشن کرنے والے تین لوگوں کو ایک جیسا نہیں مانتے۔ چاہے سب نے فرسٹ ڈویژن میں امتحان پاس کیا ہو۔ میٹرک فرسٹ ڈویژن کرنے والا انٹر فرسٹ ڈویژن کے اور انٹر فرسٹ ڈویژن گریجویشن کے برابر نہیں ہوسکتا۔ مگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ نہیں جناب آج کا ایک بہترین مسلمان اجر میں انبیاء کرام سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ میٹرک اور انٹر فرسٹ ڈویژن سے کرنے والا ماسٹر فرسٹ کلاس فرسٹ ڈویژن میں کرنے والے انبیا سے جنت میں آگے کھڑا ہوسکتا ہے۔ کوئی معقول آدمی ایک لمحے کے لیے بھی یہ منطق ماننے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔

میرے نزدیک آپ کی اور برادرم مولانا ۔۔۔۔۔ کی غلط فہمی کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے امتحان کی نوعیت کو درست نہیں سمجھا۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہر گروہ کا امتحان بالکل الگ نوعیت کا ہے۔ آپ کے فہم کی درست تمثیل یہ ہے کہ ایک شخص نے ماسٹرز انگریزی ادب میں اور دوسرے نے بھی ماسٹرز کیا ہے مگر اردو ادب میں ۔ امتحان کا درجہ ایک ہے مگر امتحان مختلف ہے۔ اس لیے جس نے اپنا امتحان بہتر دیا وہ زیادہ قابل ہے اور اس کے نمبر زیادہ آئیں گے۔ جب کہ میں واضح کر چکا ہوں کہ حقیقت مختلف ہے۔ حقیقت میں امتحان کی نوعیت ہر گروہ کے لیے درجہ بہ درجہ سخت تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس پس منظر میں صحیح تقابل وہی ہے جو میں نے اوپر واضح کیا ہے کہ ایک گروہ نے میٹرک تک کا، دوسرے نے انٹر اور تیسرے نے گریجویشن تک کا امتحان دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے میٹرک فرسٹ ڈویژن کبھی گریجویشن فرسٹ ڈویژن کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ انبیا کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ ماسٹرز کرتے ہیں اور بہرحال فرسٹ ڈویژن ہی میں ٹاپ کرتے ہیں، اس لیے ان سے کم تر درجے کا کوئی شخص کسی صورت ان کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں وہ سوال اٹھ جاتا ہے کہ ایک شخص روز قیامت اللہ تعالیٰ پر یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ مجھے بطور نبی یا اس کے صحابی کے پیدا کیوں نہیں کیا گیا تا کہ میرا اجر ان جیسا ہو جاتا۔ کیا یہ موقع نہ دیا جانا خلاف عدل نہیں؟ اس گنہہ گار نے اپنے ناول میں اسی اعتراض کا جواب دینے کی حقیر کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ یہ پہلی کاوش ہے اس لیے مخالفت، اعتراض اور سوالات کی انھی آندھیوں کی زد میں ہے جو بالعموم ایک نئی چیز کا مقدر ہوتی ہے۔ میرے نزدیک ہر گروہ نے امکانات وخطرات کو دیکھ کر اپنا امتحان خود چن لیا تھا۔ تاہم جیسا کہ میں بار بار واضح کرتا رہا ہوں یہ میرا استنباط ہے نہ کہ قرآن مجید کا صریح بیان ہے۔

اس استنباط تک پہنچنے میں میری پہلی رہنمائی قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت نے کی ہے کہ انسان اس امتحان میں اپنی مرضی اور رضامندی سے ہے اور یہ کہ امتحان میں اترنے سے قبل اس سے پوچھا گیا تھا یہ بات قرآن مجید سورہ احزاب آیت 72 کی روشنی میں ثابت ہے۔ چاہے آپ اس واقعے کو حقیقت مانیں یا تمثیل، پیشکش اور اختیار کا ذکر اس میں واضح طور پر موجود ہے۔ دوسری رہنمائی سورہ اعراف آیت 172 میں بیان کردہ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں آنے سے قبل تمام انسانوں کو ایک دفعہ ضرور پیدا کیا گیا تھا۔ میری تیسری اور فیصلہ کن رہنمائی اللہ تعالیٰ کی ان صفات عالیہ کے بیان نے کی ہے جن سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ اللہ کے عدل کا عین تقاضہ ہے کہ وہ اگر پوری انسانیت سے پوچھ کر اس امتحان میں بھیج رہا ہے تو امتحان کی ہر سطح میں بھی لوگوں کو پوچھ کر ہی بھیجنا چاہیے۔ ظاہر ہے یہ واقعہ قرآن میں بیان ہوا ہے نہ اس کی ضرورت ہے، مگر میرے نزدیک قرآن مجید کے درج بالا دو بیانات اور صفات باری تعالیٰ کی جو تفصیل قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے، وہ اس بات کا واضح قرینہ ہیں کہ بندوں پر رائی کے برابر ظلم نہ کرنے والا رب اتنی بے انصافی کا کام نہیں کرسکتا کہ بغیر پوچھے لوگوں کو اس طرح کے سخت امتحان میں دھکیل دے۔

اس ضمن کی آخری بات اس بات کی وضاحت ہے کہ میں اس بات کی کسی پہلو سے نفی نہیں کرر ہا کہ کم تر درجہ کے امتحان میں کامیاب ہونے والا یقیناً اس سے بہتر ہے جو برتر امتحان میں ناکام ہوجائے۔اسی طرح کم تر درجہ کا امتحان دینے والا اگر اپنے امتحان میں اعلیٰ سطح پر کامیابی حاصل کرتا ہے تو یقیناً وہ باعتبار انجام اس شخص سے بہتر ہوگا جو برتر امتحان میں عام سی کارکردگی دکھائے۔ یہ بات عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے اور میں نے اپنے ناول میں عبداللہ کے کردار کو ایک ایسی ہی شخصیت کے طور پر پیش کیا تھا جو پچھلوں میں سے تھا، مگر اپنی غیر معمولی کارکردگی کی بنا پر اس اعلیٰ مقام کا حقدار ہوا تھا جو اگلوں کا خاصہ ہے۔تاہم کامل کا تقابل جب بھی کامل سے ہوگا تو برتر امتحان دینے والے ہی بڑے درجات کے حقدار ہوں گے۔اس کے دلائل میں پیچھے دے چکا ہوں۔اس میں مزید اضافہ یہ کر لیجیے انبیاء علیھم السلام کسی پہلو سے غیر کامل نہیں ہوتے اس لیے ان سے بڑھنا یا ان کے برابر آنا بھی ، میری ناقص رائے میں ،کسی کے لیے ممکن نہیں۔میں اس ضمن میں کسی طور آپ دونوں حضرات کی اس رائے سے اتفاق کی کوئی گنجائش نہیں پاتا کہ ایک غیر نبی آخرت میں انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے سے بھی بلند مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کہ مولانا۔۔۔۔۔۔کے اعتراضات کا کوئی جواب دیا جائے کیونکہ جس فہم پر ان کا نقطہ نظر قائم تھا وہ میں عرض کر چکا کہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مزید یہ کہ اپنے نقطہ نظر کے حق میں میں نے جو دلائل بعض سائلین کے جواب میں دیے اور ان کی خدمت میں بھی ایک نشست میں پیش کیے ،انھوں نے ان کو بھی پوری طرح سمجھے بغیر ان پر دو اعتراضات کر دیے۔ان کے خط میں بیان کردہ اعتراضات اسی وقت کوئی وزن رکھتے جب میں یہ کہتا سورہ احزاب اور سورہ اعراف میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ وہی ہیں جن کو بطور ایک واقعہ

میں نے ناول میں بیان کیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا میرے نزدیک ان آیات میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں وہ اس نتیجہ فکر کے مقدمات ہیں جو میں نے اخذ کیا ہے۔ یعنی سب انسان ایک دفعہ پیدا ہو چکے ہیں اور یہ کہ کل انسانیت اس دارالامتحان میں اللہ کی پیشکش کو قبول کرکے آئی ہے۔ میری تردید میں آپ کو ان آیات سے اگر کچھ ثابت کرنا ہے تو یہ ثابت کیجیے کہ ان آیات میں یہ حقائق بیان نہیں ہوئے۔ یہ ثابت کیجیے کہ اعراف کی آیت 172 کی رو سے سارے انسان پہلے پیدا نہیں ہوئے۔ یہ ثابت کیجیے کہ احزاب کی آیت 72 کی رو سے انسان کا اختیار ثابت نہیں ہوتا۔

بہرحال میں تو ان آیات سے یہی سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد میرے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے عدل کا یہ تقاضہ ہے کہ انسانیت کو پوچھ کر امتحان کے لیے اس دنیا میں بھیجا جائے تو ایک ایسے وقت میں جب سارے انسان موجود تھے اور انسانوں کو درجہ بہ درجہ مشکل یا آسان نوعیت کے تین چار مختلف امتحانوں میں ڈالا جانا تھا تو عدل کا تقاضہ ہے کہ انہیں ان امتحانوں میں بھی ان کی مرضی دریافت کر کے بھیجا جائے۔ اور یہی میرے نزدیک ہوا ہوگا۔

اس کے بعد برادر عزیز مولانا۔۔۔۔صاحب نے اپنے اس نقطہ نظر کے حق میں کچھ دلائل دیے ہیں جو آپ کا بھی ہے۔ یعنی ایک عام فرد اپنا امتحان اچھی طرح دے تو چاہے وہ نبیوں کی ہدایت سے محروم ایک عام انسان ہو یا ایک مسلمان، درجات میں صحابہ اور انبیا کرام حتیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلند درجات حاصل کرسکتا ہے۔ گرچہ میں عقلی طور پر اس مقدمے کا غلط اور عدل کے خلاف ہونا ثابت کر چکا ہوں، لیکن مناسب ہوگا کہ ان دلائل کا بھی جائزہ لے لیا جائے جو انھوں نے اپنی بات کے حق میں قرآن کریم سے پیش کیے ہیں۔

برادر عزیز مولانا۔۔۔۔۔نے اپنے اس نقطہ نظر کے حق میں کہ کوئی بھی شخص کہیں بھی پیدا ہو

جنت میں انعام وانجام یکساں ہوگا تین آیات پیش کی ہیں۔اس عاجز کے نزدیک قرآن کریم کی ان آیات کا اصل مدعا یہ ہے کہ سب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنے عمل کے لحاظ سے درجہ پائیں گے۔ یہ بات کہ جنت میں سب لوگوں کے درجات برابر برابر ہوں گے، بہت معذرت کے ساتھ اس کی کوئی دلیل نہ ان آیات میں ہے اور نہ قرآن مجید کی کسی اور آیت میں۔انہوں نے جو آیات نقل کی ہیں وہ صرف یہ بتاتی ہیں، کامیاب لوگوں کا ایک ہی انجام ہے وہ جنت ہے۔ یہ نہیں بتا رہیں کہ جنت میں سب کے درجات برابر ہیں۔مثلاً پہلی آیت سورہ نساء کی آیت 66 ہیں۔ یہ آیت صرف یہ بتا رہی ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے انبیا ،صدیقین،شہدااور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔اس آیت کا مطلب بالکل سادہ ہے کہ یہ جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہ بیان نجات ہے۔اس بات کا بیان نہیں کہ نبی کی اطاعت کرنے والے نبی سے آگے بڑھ جائیں گے۔

قرآن کی اس بات کوایک عام مثال سے سمجھیں تو یہ مطلب ہے کہ جولوگ پیسے رکھتے ہیں وہ شہر کے پوش علاقے میں وزیروں،مشیروں اور امیروں کے ساتھ گھر خرید کر رہ سکتے ہیں۔اس جملہ کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ مقام ومرتبے اور دولت میں ان سے زیادہ ہوجائیں گے۔یہی قرآن کی دعوت ہے کہ اطاعت کی پونچی جمع کرنے والے جنت کی بستی میں انبیا،صدیقین،شہدااور صالحین کے ساتھ گھر خرید سکتے ہیں۔قرآن یہاں نجات یافتہ ہونے کی بات کر رہا ہے، جنت میں داخلے کی بات کر رہا ہے۔اس حیثیت میں تمام نجات پانے والے لوگ یقیناً برابر ہیں کہ ہر کامیاب شخص چاہے ایک نبی ہو یا قیامت سے قبل کا کوئی عام آدمی جنت ہی میں ہوگا۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس جنت میں ان کا انعام ومقام یکساں ہوگا۔اس آیت میں اس بات کی سرے سے کوئی وضاحت نہیں۔ یہاں اصل شرط اطاعت بیان ہوئی ہے۔سوال یہ ہے کہ نبی کی اطاعت ایسی کون

سی بڑی چیز ہے جس کے نتیجے میں ایک شخص اجر میں نبی سے بھی بڑھ جائے۔ نبی تو اطاعت بھی کرتا ہے اور دعوت دین کی زبردست جدوجہد بھی کرتا ہے۔ اخلاق کامل کا نمونہ بھی ہوتا ہے اور شریعت پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والا بھی۔ محض اس کی اطاعت، چاہے وہ کتنی اعلیٰ سطح پر کی جائے، یہ کیسے لازم کر دیتی ہے کہ اطاعت کرنے والا اس کے برابر پہنچ گیا یا اس سے بڑھ گیا۔

دوسری آیت سورہ توبہ کی آیت نمبر 100 ہے۔ اس میں آپ کا کہنا ہے کہ سابقین الاولین کے ساتھ متبعین کا ذکر اور سب کو ایک نوید سنانا آپ کے نقطہ نظر کی تصویب کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہاں بھی مسئلہ وہی ہے۔ یہاں سب لوگوں کو جو خوشخبری دی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور جنت کے حقدار ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس معاملے میں سب کامیاب اور نجات یافتہ لوگ یکساں ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور اللہ کی رضا حاصل کریں گے۔ اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل رہا ہے کہ ہر شخص کے لیے اللہ کی رضا کا درجہ اور جنت میں سب کا مقام بالکل ایک جیسا ہوگا۔

تیسری آیت سورہ واقعہ 16-14 ہے۔ سورہ واقعہ کی ابتدائی آیات کا اصل اور بنیادی پیغام یہی ہے کہ انسانیت روز قیامت دو حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک کامیاب لوگ جو جنت میں ہوں گے اور دوسرے ناکام جو جہنم میں ہوں گے۔ البتہ اس پہلو سے یہ مقام اہم ہے کہ اس میں اہل جنت کو درجات کے حساب سے دو بڑی قسموں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ایک اصحاب الیمین جو عام جنتی ہیں اور دوسرے السابقون۔ السابقون کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں سبقت لے جانے والے لوگ ہیں۔ قرآن اس مقام پر یہ بیان کرتا ہے کہ یہ اگلوں میں سے بہت، اور تھوڑے پچھلوں میں سے بھی ہوں گے۔ یہی وہ بات ہے جو ایک آخری وضاحت کے عنوان سے میں نے پیچھے بیان کی ہے۔ یعنی ایسے سابقون جو قربانی کے درجے پر دین کے تقاضوں کو نبھاتے ہوں چاہے وہ بعد کے ادوار میں آئے ہوں انہیں اللہ کی

قربت کا وہی مقام ملنا چاہیے جو اگلوں کو ملا ہے۔اس پہلو سے یقیناً ان آیات میں بعد میں آنے والوں کے لیے ایک بڑی خوشخبری ہے کہ وہ بھی سبقت کی راہ اختیار کر کے قرب کا مقام پا سکتے ہیں۔مگر اس آیت کا یہ مطلب کسی صورت نہیں کہ آج کے دور کا ایک کامل امتی نبی کے دور کے کامل امتی کے برابر ہو سکتا ہے۔آج کا کوئی شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بلکہ حضرات انبیا علیھم السلام سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے۔جیسا کہ شروع میں عرض کیا اس کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ انھوں نے مشکل ترین پرچہ لیا اور احسن ترین طریقے پر اسے نبھایا۔جبکہ آج کا مسلمان کتنا ہی مشکل پرچہ اٹھا لے وہ بہرحال انبیا اور ابتدائی دور نبوت کے مقابلے میں ہلکا ہی ہے۔

یہی وہ بات ہے کہ جو اگلی سورت یعنی الحدید میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

''تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے پہلے انفاق و جہاد کریں گے (اور جو بعد میں انفاق و جہاد کریں گے) یکساں نہیں ہو گے۔ان لوگوں کا درجہ ان سے بڑا ہو گا جو بعد میں انفاق و جہاد کریں گے۔اگرچہ اللہ کا وعدہ ان میں سے ہر ایک سے اچھا ہی ہے۔''،(الحدید 10:57)

یہی وہ آیت ہے جو بتاتی ہے کہ بعد میں آنے والے جہاد و انفاق جیسی اعلیٰ ترین عبادات کر کے بھی بہرحال اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے جو ابتدائی صحابہ کا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دونوں مقربین کے مقام پر ہوں۔مگر بڑا درجہ ہر حال میں انھی لوگوں کا ہے۔اس حقیقت کو میں ایک تمثیل سے پیچھے بیان کر چکا ہوں کہ پوش علاقے میں گھر لینا گرچہ انسان کا اسٹیٹس بڑھا دیتا ہے اور وہ طبقہ امراء ہی میں شمار ہوتا ہے۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسی علاقے میں رہنے والے وزیر اعظم اور وزرا کی ہمسری کا دعوی بھی کر سکتا ہے۔

یہ اس حوالے سے میری معروضات تھیں۔ان میں سے جو بات صحیح ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو غلط ہے وہ میرے اپنے نفس کی کوتاہی ہے۔

اعراف اور اصحاب اعراف

[یہ مضمون ''جب زندگی شروع ہوگی'' میں مذکور اعراف اور اصحاب اعراف کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔]

عربی زبان میں اعراف کا استعمال بلند جگہ کی تعبیر کے لیے ہوتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں سورہ اعراف کی تفسیر میں آیت نمبر 47 کے تحت بیان ہوا ہے:

”قال ابن جرير:والأعراف جمع عُرْف، وكل مرتفع من الأرض عند العرب يسمى عـرفـاً، وإنما قيل لعرف الديك عرفاً لارتفاعه۔۔۔۔وفي رواية عن ابن عباس:الأعراف: تل بين الجنة والنار۔“

یعنی ابن جریر کہتے ہیں کہ اعراف عرف کی جمع ہے۔ اہل عرب کے نزدیک زمین سے بلند ہر جگہ کو اعراف کا نام دیا جاتا ہے۔ مرغ کی کلغی کو بھی اس کے بلند ہونے کی وجہ سے عرف کہا جاتا ہے۔ جبکہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اعراف جنت اور جہنم کے بیچ کا ایک ٹیلہ ہے۔

قران مجید میں سورۃ الاعراف آیات 47 تا 49 اہل اعراف کا ذکر آیا ہے۔ اس میں ان کے جو مکالمات اہل جنت اور اہل جہنم سے نقل ہوئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

''اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے۔ تو وہ اہل بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ یہ لوگ ابھی بہشت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔ اور جب ان کی

نگاہیں پلٹ کر اہل دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کی جیو۔ اور اہل اعراف (کافر) لوگوں کو جنہیں ان کی صورتوں سے شناخت کرتے ہوں گے پکاریں گے اور کہیں گے (کہ آج) نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کچھ کام آئی اور نہ تمہارا تکبّر (ہی سودمند ہوا) (پھر مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا (تو مومنو) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچھ خوف نہیں اور نہ تم کو کچھ رنج و اندوہ ہوگا۔‘‘

یہ اہل اعراف کون ہیں اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال بیان ہوئے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کا رجحان اس رائے کی طرف ہے جس کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک و بد اعمال برابر تھے۔ یہ رائے چونکہ ایک مرفوع روایت میں بیان ہوگئی ہے شاید اسی لیے اس کی شہرت ہوگئی۔ تاہم خود ابن کثیر نے اسے غریب قرار دیا ہے جبکہ امام ناصر الدین البانی نے اسے منکر کہا ہے، (السلسلۃ الضعیفہ ،رقم 6030)۔ محدثین کے اس تبصرے کے بعد اس کی حیثیت صرف ایک قول کی رہ جاتی ہے اور اسی حیثیت سے اسے دیکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے حوالے سے کئی اور تفاسیر بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں حصہ لیا۔ یہ موقف بھی بعض ضعیف روایات میں آیا ہے، (ضعیف الجامع ،رقم 884، البیھقی ،1/290، السلسلۃ الضعیفہ ،رقم 2791)۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ فرشتے ہیں۔ آخری قول مجاہد تابعی کے حوالے سے یہ بیان ہوتا ہے کہ یہ علماء اور فقہا کا گروہ ہے۔ ان اقوال کی تفصیل علامہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن الکریم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید کی اصحاب اعراف کے بارے میں واحد تصریح ان کے وہ مکالمات ہیں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں یا پھر ان کا اعراف کی بلند چوٹیوں پر موجود ہونا۔ پہلے ان کے اس مقام کو لیجیے۔ بلند جگہ پر کسی شخص یا گروہ کو کھڑا کرنے کا ایک ہی مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں کو نمایاں کر کے دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے۔ کسی بلند مقام پر نیک و بد اعمال کے یکساں ہونے والے لوگوں کو کھڑا کر کے نمایاں کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ہاں یہ مقام اگر انبیا اور صلحا کو عطا کیا جائے تو ان کی عزت افزائی کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔

اس سے زیادہ صریح چیز ان کی گفتگو ہے۔ کافروں سے ان کے مکالمات پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ الفاظ ایسے لوگوں کی زبان سے نہیں نکل سکتے جن کا ابھی جنت میں جانے کا فیصلہ نہ ہوا ہو۔ غور کیجیے کہ جس طرح یہ لوگ کفار کو لتاڑ رہے ہیں، یہ کام کوئی ایسا شخص کیسے کر سکتا ہے جس کے گناہ بھی زندگی میں اتنے ہی ہیں جتنی اس کی نیکیاں۔ جن کی نجات کا فیصلہ ہی ابھی نہ ہوا ہو۔ اس طرح بیچ میں لٹکنے والے لوگ روز حشر وہ ہمت اور اخلاقی برتری کہاں سے لا سکتے ہیں کہ کفار کو اس طرح شرمندہ کریں۔

غور کیجیے تو یہ الفاظ صرف انہی صلحاء کو زیب دیتے ہیں جن کی زندگی شہادت حق کے کام میں گزری، جن کی نجات کا فیصلہ ہو چکا ہو اور جن کی شہادت پر لوگوں کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا گیا ہو۔ یہی انبیا و صلحا اس قابل ہیں کہ ایسی گفتگو کر سکیں۔ صاحب تدبر قرآن نے بہت تفصیل کے ساتھ اس پورے معاملے پر اپنی تفسیر میں گفتگو کی ہے جسے آپ سورہ اعراف کے اس مقام کی تفسیر میں دیکھ سکتی ہیں۔

البتہ ایک سوال پھر بھی رہ جاتا ہے اور غالباً اسی وجہ سے اصحاب اعراف کے بارے میں یہ رائے قائم کی گئی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نیک و بد اعمال کے برابر ہونے کی بنا پر روک لیا گیا تھا۔

وہ یہ کہ ان آیات میں ان لوگوں کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ یہ لوگ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن اس کے امیدوار ہوں گے۔سوال یہ ہے کہ انبیا وشہدا کے لیے یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ باقی لوگ جنت میں ہوں اور وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں۔ ان کو تو سب سے پہلے جنت میں ہونا چاہیے۔

میں نے اپنے ناول میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔وہ یہ کہ یہ مکالمات جو آیت نمبر 44 سے شروع ہورہے ہیں جنت اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کے نہیں بلکہ میدان حشر کے ہیں۔یعنی اس وقت کے جب روزحشر کا اختتام ہورہا تھا اور تمام لوگوں کا فیصلہ سنایا جاچکا تھا۔اس کے بعد لوگوں کے گروہ درگروہ جنت میں جانے کا مرحلہ شروع ہونا تھا۔ اس وقت جنت اور جہنم کو بالکل قریب کر کے لوگوں کو دکھایا جارہا تھا اور ہر شخص کو اپنا انجام اپنی آنکھوں سے سامنے نظر آرہا تھا،(وازلفت الجنة للمتقين غير بعيد)۔یہ ساری تفصیل سورہ ق میں بیان ہوئی ہے۔چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ بھی یہ ہرگز نہیں کہ انہیں جنت میں داخلے سے روک دیا گیا بلکہ یہ ہیں کہ یہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے۔

یہی وہ آخری وقت ہوگا جب شہادت حق کا فریضہ سرانجام دینے والوں کی کامیابی کا باضابطہ اور رسمی اعلان کیا جائے گا۔گرچہ وہ دیگر اہل جنت کے ساتھ پہلے ہی عرش کے سائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں میں موجود ہوں گے۔چنانچہ اس عاجز کی یہ تاویل پیش نظر رہے تو ’’لم يدخلوها و هم يطمعون ‘‘یعنی وہ جنت میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے مگر اس کے امیدوار ہوں گے اور ’’ادخلو الجنة ‘‘یعنی جنت میں داخل ہوجاؤ جیسے الفاظ کا موقع محل بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

اس گناہگار نے اپنے ناول میں واقعات حشر بیان کرنے کی جو جسارت کی ہے اس میں

خدمت کا پہلو یہی ہے کہ تمام واقعات جو قرآن حدیث میں بیان ہوئے ہیں ان کا موقع محل بھی واضح ہوجائے۔میری بیان کردہ اضافی باتوں کو اگر اس پہلو سے دیکھیے تو یہ گویا قرآن وحدیث کی شرح ہے۔اس میں سے جو بات صحیح ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔کوئی بات اگر غلط ہے تو وہ میری اپنی کمزوری اور خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صحیح باتوں پر ہمارا ایمان راسخ کردے اور ہر غلط بات کو دل و دماغ سے محو فرمادے۔آمین۔

مسلمانوں کی جان و مال کی حرمت

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔''

''جس نے ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔''

''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۔اسے کیا معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے اسے (ہتھیار کو) گرادے (یا چلادے) تو (مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے) وہ جہنم کے ایک گڑھے میں جا گرے۔''

''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک تو قاتل ہے (اس لیے جہنم میں جائے گا) لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: اس لیے کہ اس نے اپنے (مسلمان) ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔''

(صحیح بخاری)

کیا جنت موجود ہے یا بنائی جائے گی

[ایک بہن نے یہ سوال کیا کہ جنت تو پہلے ہی سے موجود ہے جبکہ میں نے اپنے ناول میں یہ بیان کیا ہے کہ اسے قیامت کے بعد بنایا جائے گا۔ انہوں نے بطور دلیل یہ بات بھی فرمائی کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت اور اہل جہنم کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ اس کا جو جواب مصنف نے دیا وہ درج ذیل ہے۔]

یہ بات کہ جنت پہلے سے موجود ہے یا قیامت کے دن بنائی جائیگی ہمارے اہل علم کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ موجود ہے اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ قیامت کے دن بنائی جائے گی۔ قرآن وحدیث کے بیانات کی روشنی میں میرا اطمینان دوسرے نقطہ نظر پر ہے کہ یہ قیامت کے بعد بنائی جائے گی اور جنت وجہنم میں لوگوں کا داخلہ اس کے بعد ہی ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن کریم میں سورہ زمر کے آخر میں بیان ہوئی ہے کہ حساب کتاب کے بعد لوگوں کو گروہ در گروہ جنت اور جہنم میں لے جایا جائے گا اور ان دروازوں سے گزر کر اور فرشتوں سے مکالمے کے بعد جنت وجہنم کا عذاب وثواب شروع ہوگا۔

اس کی ایک اور وضاحت سورہ انبیا اور سورہ زمر کے دو مقامات پر ملتی ہے۔ سورہ انبیا میں کہا گیا ہے:

''اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت گزار بندوں کے لیے یقیناً ایک بڑی خبر ہے''، (105-106:21)

یہ وہ وعدہ ہے جو قیامت کے دن جب پورا ہوگا، اس وقت عبادت گزار نیک بندے جنت میں داخل ہوتے وقت کہیں گے:

''اللہ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا۔ ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں۔''، (زمر 74:39)

ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ روز قیامت یہی زمین جنت میں تبدیل کر دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک جنت نہیں بنی ہے۔

اس وضاحت کے بعد آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں جو حقائق دکھائے گئے تھے وہ تمثیل کے روپ میں تھے یا پھر عالم برزخ کے واقعات تھے۔ اس کا یہ لازمی مطلب نہیں کہ جنت اور جہنم وجود میں آ چکی ہیں اور اس وقت لوگوں کو سزا جزا ہو رہی ہے۔ کیونکہ سورہ زمر کے مذکورہ بالا مقام اور دیگر کئی مقامات پر قرآن مجید یہ صریح طور پر بیان کرتا ہے کہ لوگ جنت اور جہنم میں روز قیامت حساب کتاب کے بعد داخل ہوں گے۔

آپ کا شمار خوش نصیب لوگوں میں ہوگا
اگر آپ آدھے خالی گلاس کو
آدھا بھرا ہوا دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں
(ابو یحییٰ)

اللہ تعالیٰ کی گفتگو اور جواب شکوہ

[یہ ای میل ایک صاحب کے ان اشکالات کے جواب میں ابویحییٰ صاحب نے لکھا جو ان کی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے حوالے سے کیے گئے۔ یہ سوال کتاب میں بیان کردہ روزِ محشر کے واقعات اور وہاں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان کی جانے والی گفتگو کے پس منظر میں سائل کے ذہن میں پیدا ہوئے۔]

جواب: السلام علیکم! ای میل کے لیے شکریہ۔ میں نے یہ ناول مسلمانوں کی علمی اور فکری روایت کے اندر رہ کر ہی لکھا ہے۔ اس روایت کے آخری بڑے آدمی حضرت علامہ اقبال کے کلام سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ ان کا فارسی نہ سہی اردو کلام تو پڑھا ہوگا۔ ورنہ کم از کم شکوہ جواب شکوہ کا نام تو سنا ہوگا۔ اس سے بھی واقف نہیں ہیں تو یہ شعر تو لازماً سنا ہوگا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ جواب شکوہ کا آخری شعر ہے اور پوری جواب شکوہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو پر مشتمل ہے۔ میں نے تو جو لکھا تھا وہ سرتا سر قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا تھا۔ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر معاصر ملی حالات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ کیا ہے۔ یہ سارے سوالات جو آپ اٹھا رہے ہیں، مجھ سے کہیں بڑھ کر اقبال اور ان سے قبل کے اہل علم پر وارد ہوتے ہیں۔ لیکن علم و ادب کی گہری سمجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سطحی نوعیت کے اعتراضات ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی علمی وفکری روایت سے ناواقف بعض جہلا نے جب اقبال پر اس حوالے سے فتویٰ بازی کی تو انہوں نے جاوید نامہ میں اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے اس کا جواب یوں دیا تھا۔

ہر کہ او را قوت تخلیق نیست

پیش ما جز کافر وزندیق نیست

از جمال ما نصیب خود نبرد

از نخیل زندگانی بر نخورد

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو تخلیقی سوچ نہیں رکھتا ہمارے نزدیک کافر و زندیق ہے۔ اس نے ہمارے جمال سے اپنا حصہ نہیں پایا اور وہ زندگی کے درخت کا پھل کھانے سے محروم رہا۔ باقی جو کچھ قرآن کے حوالے سے آپ نے سمجھا ہے اس کا انطباق ان چیزوں پر نہیں ہوتا جو میں نے لکھا ہے۔ میں صرف ایک مثال سے بات واضح کر رہا ہوں۔ باقی چیزوں کو آپ خود قیاس کر لیں۔ یہ بات کہ اللہ کے اذن کے سوا روز محشر کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ یہ بات علی الاطلاق نہیں کہی گئی ہے بلکہ کفار کے اس زعم باطل کی تردید میں کہی گئی ہے کہ ان کے دیوی دیوتا جس کی چاہیں گے اللہ کے حضور سفارش کروالیں گے۔ قرآن جگہ جگہ یہ بات اسی عقیدہ کی تردید میں کہتا ہے۔ ایسے مقامات پر نفی سفارش کی ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامت کے دن سارے لوگوں کے ہونٹ سی دیے جائیں گے۔ قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر لوگوں کی گفتگو بھی نقل کی گئی ہے جو وہ روز محشر کریں گے۔

والسلام علیکم

ایک متعصب شخص عالم بن سکتا ہے مگر
ایک سچے عالم کا متعصب ہونا بہت مشکل ہے (ابو یحییٰ)

جنت میں موسیقی، مرد وخواتین کا سامنا اور رقص

[یہ خط اس سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں غیر شرعی چیزوں اور مغربی تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔]

محترمی ومکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ سوالات براہ راست مجھ سے کر لیے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ میں آپ کے سوالوں کا جواب دوں عرض یہ کرنا ہے کہ آپ میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا اول تا آخر مطالعہ کر لیں۔ ڈھائی تین سو صفحات کی اس کتاب کا مقصد کیا آپ کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ رقص وموسیقی کی تلقین کی جائے اور مغربی تہذیب کو عام کیا جائے؟ دل پر ہاتھ رکھ کر پوری دیانت داری سے بتایئے کہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کے ذہن میں کیا یہی احساسات پیدا ہوئے تھے یا پھر اللہ اور آخرت پر یقین پختہ ہوا تھا، اتباع رسول کی خواہش پیدا ہوئی تھی اور جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کا داعیہ پوری قوت سے پیدا ہوا تھا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ چند استثنائی لوگوں کو چھوڑ کر سو فیصد لوگ جنھوں نے اس کتاب کو پڑھا ان میں یہی احساسات پیدا ہوئے۔ باقی ناقدین کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک ان کے تعصّبات بیدار نہیں ہوئے تھے ان کی رائے بھی یہی تھی اور کتاب پر توصیفی تبصرے انھوں نے خود کیے تھے۔ مگر جب تعصب کی آنکھ کھلی تو علم وبصیرت کی آنکھ بند ہوگئی۔ اطمینان رکھیے ایسی بند آنکھوں کو قیامت کا زلزلہ ہی کھولے گا۔

تعصب میں مبتلا شخص منفی سوچ کے تحت حقائق کو دیکھتا ہے۔ایسا شخص پہلے مرحلے پر طے کرلیتا ہے کہ اسے صرف کیڑے نکالنے ہیں، ہر بات کو بدترین انداز سے لینا اوراسی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، بدگمانی کرنی اور نیت میں خرابی ہی دریافت کرنی ہے۔ یہ رویہ جب مستشرقین اپنے بغض وعناد کی بنا پر سیرت مبارکہ میں اختیار کرتے ہیں تو ہم سب چیخ پڑتے ہیں،مگر اپنی آنکھوں کا یہ شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا۔اس رویے کہ ساتھ شاید یہ بدنصیب اس دنیا میں اپنے چند ذہنی لونڈی غلاموں پر علمیت کا رعب جھاڑ کرانھیں بدگمان کرنے میں کامیاب ہوجائیں ،مگر مسلمہ اخلاقی اقدار کو پامال کرکے آخرت میں اپنی پکڑ کا جو انتظام کررہے ہیں، کاش انھیں اس کا کچھ احساس ہوجائے قبل اس کے کہ واقعتاً ان پر اللہ کی پکڑ آجائے۔

اب آیئے ان معاملات کی طرف جن پر آپ نے سوالات اٹھائے ہیں۔یعنی جنت کی زندگی میں رقص،موسیقی کا بیان اور شرعی پردے کی نفی۔ اصولاً تو جس شخص نے کتاب سمجھ کر پڑھی ہے اس کے لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔کیونکہ جو چیزیں دینی تعلیمات میں بطور برائی کے بیان ہوئی ہیں یعنی فواحش ومنکرات اوران کے فروغ کا سبب بننے والی چیزیں اوررویے، ان پر میں نے کتاب میں جابجا سخت تنقیدیں کی ہیں۔ اسی کی روشنی میں میرے اصل نقطہ نظر کو سمجھنا چاہیے تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی علم کی روایت سے واقف ہر صاحب علم کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ کوئی اصولی چیزیں نہیں بلکہ فروعی چیزیں ہیں۔خود ناول میں یہ انتہائی ضمنی طور پر بیان ہوئی ہیں۔آخرت میں ان کی موجودگی پر اہل علم کی کیا رائے ہے،اسے جانے دیجیے، دنیا میں بھی اس حوالے سے بڑے بڑے اہل علم کی اختلافی آراء موجود ہیں۔کتاب کے اصل موضوع سے اندھا بن کر ایسی اختلافی ،فروعی اور ضمنی چیزوں پر پروپیگنڈا مہمیں چلانا،نیت اور ایمان پر حملے

کرنا جیسی بے ہودگیوں کا کیا اخلاقی اور دینی جواز ہے۔ تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اسی طرح ان چیزوں کو جنت کے پاکیزہ پس منظر میں پیش کرنے میں کیا مسئلہ ہے جب کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور زندگی میں ان کا ذکر موجود ہے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ میں جنت کے حوالے سے کوئی وضاحت پیش کروں میں صرف یہ بتانا چاہوں گا کہ اس معاملے میں میرا ماخذ سیرت طیبہ کا وہ نقشہ رہا ہے، جنت کا ماحول جس سے زیادہ پاکیزہ نہیں ہوسکتا اور جو ہر طرح کے افراط وتفریط اور رہبانی رویوں سے پاک ہے۔ ذیل میں وہ احادیث مبارکہ نقل کررہا ہوں جن سے میرا ماخذ اور موقف دونوں واضح ہوجائیں گے۔

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ اس موقع پر دو (مغنیہ) لونڈیاں جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں۔ آپ بستر پر دراز ہو گئے اور اپنا رخ دوسری جانب کر لیا۔ (اسی اثنا میں) حضرت ابوبکر گھر میں داخل ہوئے۔ (گانے والیوں کو دیکھ کر) انھوں نے مجھے سرزنش کی اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شیطانی ساز (کیوں)؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا : انھیں (گانا بجانا) کرنے دو۔ پھر جب حضرت ابوبکر دوسرے کام میں مشغول ہو گئے تو میں نے ان (گانے والیوں کو چلے جانے کا) اشارہ کیا تو وہ چلی گئیں۔ یہ عید کا دن تھا۔“، (بخاری، رقم 907)

یہ موسیقی کے معاملے میں صرف ایک روایت ہے، اس طرح کی اور روایات کی تفصیل دیکھنی ہے تو امام شوکانی کی نیل الاوطار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ رقص کے معاملے دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : حبشہ کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ناچ رہے تھے اور یہ گا رہے تھے : محمد صالح انسان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا : یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے کہا : یہ کہہ رہے ہیں : محمد صالح انسان

ہیں۔(احمد بن حنبل، رقم12542)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں :ایک مرتبہ عید کے روز حبشی مسجد میں رقص کا مظاہرہ کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں نے آپ کے شانے پر سر رکھا اور ان کا کرتب دیکھنے لگی۔(کافی وقت گزرنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع نہیں فرمایا) یہاں تک کہ میں خود ہی انھیں (مسلسل) دیکھ کر تھک گئی۔(مسلم، رقم 892)

سوال یہ ہے کہ دنیا میں خوشی اور تفریح کے پہلو سے ان چیزوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں روکا تو جنت کی پاکیزہ بستی میں جہاں صرف پاکیزہ نفس روحیں ہوں گی، وہاں ممانعت کا کیا سوال ہے؟ اس حوالے سے اعتراض کا کیا جواز ہے؟ اچھا ہوا میں نے جنت کی شراب کا ذکر نہیں کیا، ورنہ یہ لوگ اس پر بھی آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ دیکھو یہ شخص جنت میں بھی مغربی نا ؤ نوش کی تلقین کر رہا ہے۔ بہرحال پھر بھی کسی کو مہم چلانی ہے میری کتاب کے بجائے بخاری اور مسلم کے خلاف چلائے جن کتابوں میں یہ احادیث موجود ہیں۔

باقی رہا پردے کا مسئلہ تو وہاں بھی یہی سوال ہے کہ کیا جنت میں بدنیت، بدنگاہ اور بدکار لوگ موجود ہوں گے یا پاکیزہ نفس لوگ۔ کیا جنت کے پاکیزہ لوگوں کے لیے اجنبی خواتین کے بارے میں وہی جذبات نہیں پیدا کر دیے جائیں گے جو اپنی ماؤں بہنوں کے لیے ہم آج محسوس کرتے ہیں؟ اسی پاکیزگی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی قریبی اعزاء و متعلقین (خیال رہے کہ اس لسٹ میں سب لوگ محرم نہیں) کے سامنے خواتین کے لیے یہ جائز کر دیا ہے کہ پوری زیب و زینت کے ساتھ آسکتی ہیں،(النور31:24)۔ عقل کہتی ہے کہ یہی جنت میں ہونا چاہیے، اگر یہ نہیں کیا جائے گا تو مجھے کہنے دیجیے کہ وہ جگہ جنت نہیں ہوسکتی جہاں انسان سکون سے رہے کیونکہ پھر تو انسان کو ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی کی وہی مشقت اٹھانی پڑے گی جس سے ہم آج دوچار ہیں۔

جنت کی زندگی کے بارے میں میرا یہی استنباط ہے جس کی روشنی میں میں نے جنت کے ذکر میں خواتین اور مردوں کے اختلاط کے موقع پر پردے کی شرط نہیں لگائی، لیکن حیا اور پاکیزگی کی وہ شرط ساتھ لگا دی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بھی لگائی ہے۔

''......مگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے قلوب اس طرح پاکیزہ کر دیے تھے کہ نگاہوں میں آلودگی اور دلوں میں خیانت کا تصور بھی نہیں رہا تھا۔ ہر مرد اور ہر عورت خوبصورتی مگر پاکیزگی کے احساس میں زندہ تھا۔'' (258)

سوال یہ ہے کہ کسی کو پاکیزگی کی شرط یہاں قبول نہیں تو پھر اسے جنت میں شراب طہور پر بھی پابندی لگوانی چاہیے جس کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آیا ہے۔ تاہم میرے استنباط کو گولی ماریے۔ اس بات کو بھی جانے دیجیے کہ جمہور اہل علم کی پردے کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اسے بھی چھوڑ دیجیے کہ صحابہ میں سے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ، تابعین میں سے مجاہد، عکرمہ، ضحاک، سعید بن جبیر، ائمہ میں سے امام احمد کو چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ، ابن رشد کے مطابق جمہور علما اور پھر معاصرین میں سے یوسف القرضاوی اور امام البانی چہرے کے اس پردے کے قائل ہی نہیں جسے یہ حضرات ایک مسلمہ حکم کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو اس موقف کو نہیں ماننا تو بالکل نہ مانیں مگر یہ تو مانیں کہ خواتین کا چہرہ نظر آ جانا کسی پہلو سے کوئی فحاشی یا عریانی کا معاملہ نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حج جیسی عظیم عبادت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں خواتین کو نقاب کرنے سے منع کیا ہے، (بخاری، رقم 1838)۔ کیسے ممکن ہیں کہ حج کے موقع پر ایک فعل حرام (چہرہ کھولنا) کو لازمی کر دیا جائے؟ یہی نہیں بلکہ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حج کے موقع پر قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنے آئی جو بہت خوبصورت تھی۔ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے آپ کے چچازاد

بھائی فضل عباس جو ایک نوجوان تھے اسے گھور کر دیکھنے لگے تو آپ نے فضل بن عباس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دیا۔ مگر اس موقع پر آپ نے اس خاتون کو پردے کی کوئی تلقین نہ کی۔ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔ جو ناجائز تھا اس سے روک دیا۔ جو حرام نہیں تھا، اس پر خاموش رہے۔

میں کہتا ہوں کہ میرا نقطہ نظر کسی کو نہیں ماننا تو نہ مانیں، جو موقف اختیار کرنا ہے کریں، پردہ کرنا ہے کیجیے، اس کی تلقین ہے وہ بھی کیجیے، مگر اس طرح کی ضمنی اور ثانوی چیزوں کی بنیاد پر کسی کو بدنام کرنے، اسے مغربیت کو فروغ دینے جیسے الزامات پر مبنی مہم چلانے کا کیا اخلاقی جواز ہے؟ جس چیز کا معاملہ دنیا میں یہ ہے، جنت کی پاکیزہ بستی میں جہاں کسی بدکاری اور بدنگاہی کا کوئی امکان نہیں، وہاں اس کے حوالے سے ہدایت عام کرنے والی ایک کتاب کے خلاف مہم چلانے کا کیا دینی جواز ہے؟

باقی جن آیات کا آپ نے حوالہ دیا ہے اگر آپ ان سے جنت کی خواتین کے لیے شرعی پردہ اخذ کرتے ہیں تو مجھے ایسا کرنے والے کی عقل پر ماتم کرنے کا دل چاہتا ہے۔ میرے بھائی یہ آیات صرف یہ بتا رہی ہے کہ اہل ایمان کو جو حوریں ملیں گی وہ باحیا اور باعصمت ہوں گی۔ مردوں کے ذوق، پسند اور سہولت کے ساتھ موجود ہوں گی۔ یہ آیات زبان و بیان کا شاہکار ہیں جس میں مرد وزن کے تعلق اور پسند و ترجیحات کو اشارے، کنارے، تشبیہ اور تمثیل کے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جنسیت پر مبنی اس تعلق کے بارے میں یہ قرآن مجید کے شایان شان نہیں تھا کہ وہ کھل کر گفتگو کرتا۔ چنانچہ ایجاز سے کام لیا گیا۔ مگر اس ایجاز سے شرعی پردے کا جو مفہوم آپ نکال رہے ہیں وہ بلاشبہ قابل داد ہے۔ غور فرمائیے حضور کہ حور مقصورات فی الخیام (خیموں میں ٹھیرائی ہوئی حوریں) سے خواتین کے شرعی پردے کا قانون جس منطق کے

تحت آپ نکال رہے وہ تو وہاں سے نہیں نکلتا۔مگر اس احمقانہ منطق سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ آپ مرد لوگ تو جہاں چاہیں جنت میں گھومتے اور مزے کرتے رہیں البتہ آپ کی خواتین کو مستقل طور پر خیموں میں بند کر دیا جائے گا۔اللہ نے جنت کو مقام نعمت بنایا تھا۔مگر آپ لوگوں نے ہماری بہنوں کے لیے اسے بھی قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے۔ باقی اگر اس آیت کو سمجھنا مقصود ہے تو مجھ سے رجوع کیجیے گا۔ میں اِس دور کے پردے کے سب سے بڑے حامی عالم دین کی تفسیر کا نام بتا دوں گا۔ وہ بھی یہاں سے جنت کا پردہ جیسی کوئی چیز نہیں نکالتے۔ البتہ ان کی تفسیر سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ یہاں اصل میں کیا کہہ رہے ہیں۔

بہر حال آپ کے سوالات کے حوالے سے یہ میری گزارشات ہیں۔مگر اصل گزارش یہ ہے کہ کتاب کو اس کے اصل پس منظر میں پڑھیے۔اصل موضوع یعنی دعوت توحید و آخرت پر کوئی اعتراض ہے تو بتائیں۔ ورنہ میری اس کتاب کی کیا اوقات ہے، منفی انداز فکر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے یا حدیث، لوگ وہاں سے بھی منفی چیزیں دریافت کر لیتے ہیں۔

والسلام

ابو یحییٰ

برائی سے بچنے کا آسان حل لوگوں کو برائی سے روکنا ہے

کیونکہ اس کے بعد لوگ آپ کو

برائی نہیں کرنے دیں گے، (ابو یحییٰ)

یہودیوں کی بغاوت

[یہ ایک اور خط ہے جو میری کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے خلاف انٹرنیٹ پر منفی پروپیگنڈا کرنے والے ایک اور صاحب کو لکھا گیا۔ تعصّبات اور فرقہ واریت کی روایت کے عین مطابق انھوں میری نیت اور محرکات کو بھی پوری طرح موضوع بنایا۔ البتہ تنقید انھوں نے وہ استعمال کی جو بعض دوسرے لوگوں نے لکھی تھی اور اسے پورے اعتماد سے اپنے نام سے چھاپ دیا۔ میں نے انھی چیزوں کی طرف انھیں کچھ توجہ دلائی ہے۔ ساتھ میں ان کے ایک اعتراض کا جواب بھی دیا۔ میرا مقصد کسی فرد کے خلاف مہم چلانا نہیں قارئین کو ان رویوں کی طرف متوجہ کرنا ہے جو معاشرے میں فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں اس لیے ان صاحب کا نام اور متعلقہ تفصیلات حذف کر کے اب یہ خط افادہ عام کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔]

محترم............صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

آپ کا شکریہ کہ آپ نے اپنا مضمون مجھے بھیجا۔ گرچہ یہ پہلے بھی میں ایک دو دوستوں کے توجہ دلانے پر پڑھ چکا ہوں۔ آپ کی تحریر اور اسی نوعیت کی بعض دیگر تحریریں پڑھ کر دل میں جو پہلا احساس جنم لیتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ خوامخواہ ایک صدی سے بریلوی حضرات کے خلاف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے حوالے سے محاذ کھول کر انھیں گمراہ بلکہ مشرک قرار

دیتے ہیں۔آپ تو ماشاء اللہ خود عالم الغیب ہیں جن پر فرشتے اترتے اور وحی نازل ہوتی ہے۔ما کان وما یکون اورحاضر وغائب کا سارا علم آپ کوحاصل ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ لوگوں کی نیت، دل کا حال اور اعمال کے محرکات تک جان لیتے ہیں۔اور پھر بڑے فخر سے مضمون لکھ کراس کا اعلان کرتے ہیں۔

تاہم آپ نے میری نیت اورمحرکات پراپنے ''علم غیب'' کی بنیاد پر جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی جواب دینے کے بجائے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کرنا پسند کرتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جواب نہ دینے سے فرشتے مدافعت کرتے ہیں۔اسی لیے میں ایسی بہتان تراشی پراللہ کی عافیت مانگ کرخاموش رہنا ہی پسند کرتا ہوں۔

باقی نفس مضمون میں کوئی ایسی بات ہوتی جس کا جواب دیا جاسکے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔مگر دراصل اس میں موجود تنقیدی نکات ......صاحب کی تنقید کا سرقہ اور الزام و بہتان پر مبنی لہجہ ......صاحب کے ساتھ ساتھ ......صاحب کے مضمون کا چربہ ہے۔ مجھے بتایئے کہ سرقے اور چربے پر مشتمل اس مضمون کا میں کیا جواب دوں؟ سوائے اس کے کہ اس سرقے کو معمولی ردو بدل کے ساتھ اپنے نام سے چھاپنے پر آپ کے حوصلے کی داد دوں۔بلاشبہ اس ہمت پر آپ واقعی داد کے مستحق ہیں۔رہے اس مضمون کے مشمولات تو اس میں سے جو امور وضاحت طلب ہیں ،لوگ پوچھتے رہتے ہیں اور میں جواب دیتا رہا ہوں۔لیکن ظاہر ہے سوال پوچھنے والوں کو جواب دیا جاتا ہے۔دوسروں کی چیزیں بلا حوالہ اپنے نام سے چھاپنے والوں کو خدا خوفی کی نصیحت ہی کی جاسکتی ہے۔

تاہم آپ چونکہ ایک نوجوان لگتے ہیں اس لیے آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے اس واحد علمی مشقت کا جواب البتہ ضرور دوں گا جو اس مضمون میں آپ نے اٹھائی ہے۔یعنی مولانا حفظ الرحمٰن

کا اقتباس نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود نے بخت نصر کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی اور یہود بخت نصر کے حملے سے پہلے اس کے باج گزار نہیں تھے۔

جس طرح آپ اپنی تنقید میں دعویٰ کررہے ہیں، میں نے ''تیسری روشنی'' میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ ''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ نے قصص القرآن میں اس واقع کو اسی طرح بیان کیا ہے''۔ میرے منہ میں اپنے الفاظ نہ ٹھونسیے۔ میرے الفاظ درج ذیل تھے:

''اگر اس تفصیل کے ساتھ اس دور کے انبیاء کی تنبیہات کو بھی پڑھنا ہے تو مولانا مودودی کی تفہیم القرآن یا پھر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قصص القرآن کا مطالعہ کیجیے جس میں دیگر انبیا کے ساتھ بخت نصر (جس کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر خدائی عذاب نازل ہوا) کے ہم عصر نبی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کے مواعظ بھی نقل کیے گئے ہیں۔''، صفحہ 83

میں اس پیراگراف میں وہ نہیں کہہ رہا جو آپ سمجھے ہیں، یہ عرض کررہا ہوں کہ یرمیاہ نبی کا ذکر کرنے والا میں پہلا آدمی نہیں ہوں۔ بلکہ بڑے بڑے اہل علم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ اگر جرم ہے تو اس کے مرتکب بڑے بڑے لوگ ہوئے ہیں۔

باقی یہ بات کہ اصل واقعہ کیا ہے تو عرض یہ ہے کہ جو بات میں نے لکھی ہے وہی درست ہے۔ یعنی یہود بخت نصر کے باج گزار تھے۔ وہ ایمان واخلاق کے معاملے میں اپنی اصلاح کرنے کے بجائے بغاوت کو اپنے مسئلے کا حل سمجھ رہے تھے۔ یرمیاہ نبی نے انھیں بہت سمجھایا مگر وہ بعض نہ آئے اور انھی کے دشمن بن گئے۔ اس معاملے میں میرا ماخذ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نہیں بلکہ وہ کتاب ہے جہاں سے خود سیوہاروی صاحب نے یہ سارے مضامین لیے ہیں یعنی بائبل۔ اب ذرا کچھ وقت نکالیے، بائبل کو کھنگالیے۔ لکھنے سے پہلے پڑھنا اور تنقید سے پہلے تحقیق کرنا سیکھیے۔ پھر وہاں کے اقتباسات نقل کر کے اس گنہگار کو بتائیے کہ تم نے غلط بیانی کی

ہے۔ پھر میں بھی بائبل کے وہ اقتباس نقل کردوں گا جن میں یہ تاریخی حقیقت بیان ہوئی ہے ۔اس کے علاوہ کسی اور موضوع پر میں آپ سے کسی مکالمے کے لیے خود کو آمادہ نہیں پاتا۔

آپ شاید اس عذر کی آڑ میں پناہ لیں کہ بائبل پڑھنا گناہ کا کام ہے تو اطمینان رکھیں، آپ عالم آدمی ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج کے دن تک علماءِ قرآن کے ان بیانات کی وضاحت کے لیے جہاں یہود و نصاریٰ کا حوالہ ہوتا ہے، بائبل ہی پڑھتے اور نقل کرتے آرہے ہیں۔

بہرحال میں آپ سے وہی کہوں گا جو یرمیاہ نبی نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ چوری کرنا بری بات ہے۔ جھوٹے الزام و بہتان لگانا بدترین جرم ہے۔ آپ سے توقع ہے کہ وہی کریں گے جو یہود نے کیا تھا۔ یعنی سمجھانے والے کے دشمن ہو گئے تھے۔ اطمینان رکھیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی وہی کریں گے جو انھوں نے یہود کے ساتھ کیا تھا۔

آخر میں آپ سے بھی وہی درخواست ہے جو......صاحب سے کی تھی۔ اختلاف ہے تو اسے علم تک محدود رکھیے۔ کسی کے دل اور نیت کے بارے میں فیصلے دینا صرف اللہ اور اس کے رسول کا حق ہوتا ہے۔ ایسا مت کیجیے۔ یہ کریں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دینا ہوگا کہ تم نے کسی کی نیت اور اس کے کسی کام کے محرکات کا فیصلہ کس بنیاد پر کر دیا تھا۔

کبھی منفی نفسیات سے نکل کر تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں کہ روزِ قیامت پروردگارِ عالم نے پوچھ لیا کہ تو نے میرے بندے کے دل کا حال کیسے جان لیا تھا تو کیا جواب دیں گے۔ میری بات نہیں سمجھتے تو جان لیجیے اللہ کے حضور پیشی اتنا آسان کام نہیں جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ بہتان ان جرائم میں سے ایک ہے جو ایمان سلب کرا دیتا ہے۔

صرف سو برس بعد ہم میں سے ہر شخص اپنے کاموں کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ وہاں غلط علمی اجتہادات پر معافی بلکہ ایک اجر کی یقین دہانی تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

کرا چکے ہیں، مگر اخلاقی جرائم کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔ کاش آپ کو اس حقیقت کا احساس ہو جائے۔ ایسا ہوا تو یہ میری محنت کا حاصل ہوگا۔ ایسا نہ ہوا تو آپ ہرزہ سرائی فرماتے رہیں۔ ہم صبر کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ دن شروع ہو جائے گا جس کا عذاب اور ثواب کبھی ختم نہیں ہوگا۔ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۔ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۔

والسلام علیکم

[ناقد موصوف نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ پروپیگنڈے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ میں بہر حال اپنے اُن تمام محسنوں کی طرح اِن کے لیے بھی دعا گو ہوں جو اپنی آخرت کی بربادی کی قیمت پر اپنی نیکیاں مجھے دے رہے اور میرے گناہ خود سمیٹ رہے ہیں۔ ابو یحییٰ]

آپ کا شمار خوش نصیب لوگوں میں ہوگا

اگر آپ آدھے خالی گلاس کو

آدھا بھرا ہوا دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں (ابو یحییٰ)

اندھیرے کی سب سے بھیانک قسم

منفی سوچ ہوتی ہے جو

امید کے ہر چراغ کو گل کر دیتی ہے۔ (ابو یحییٰ)

جب زندگی شروع ہوگی

مصنف: ابو یحییٰ
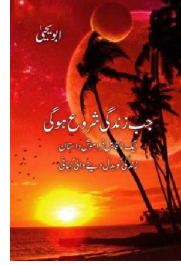
☆ ایک ایسی کتاب جس نے دنیا بھر میں تہلکہ مچادیا

☆ ایک ایسی تحریر جسے لاکھوں لوگوں نے پڑھا

☆ ایک ایسی تحریر جس نے بہت سی زندگیاں بدل دیں

☆ ایک ایسی تحریر جو اب ایک تحریک بن چکی ہے

☆ آنے والی دنیا اور نئی زندگی کا جامع نقشہ ایک دلچسپ ناول کی شکل میں

☆ ایک ایسی تحریر جو اللہ اور اس کی ملاقات پر آپ کا یقین تازہ کر دے گی

☆ علم و ادب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف

قسم اُس وقت کی

مصنف: ابویحییٰ
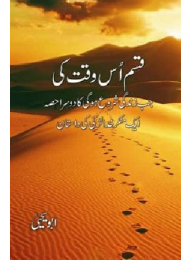
''جب زندگی شروع ہوگی'' سے شروع ہوئی کہانی کا دوسرا حصہ

☆ ایک ایسی کتاب جس نے کفر کی طرف بڑھتے کئی قدموں کو تھام لیا

☆ ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر جو سچ تلاش کرنے نکلی تھی

☆ ایک خدا پرست کی کہانی جس کی زندگی سراپا بندگی تھی

☆ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور روز قیامت کا ناقابل تردید ثبوت

☆ رسولوں کی صداقت کا نشان دور رسالت کی زندہ داستان

☆ کفر والحاد کے ہر سوال کا جواب ہر شبہے کا ازالہ

☆ ایک ایسی کتاب جو آپ کے ایمان کو یقین میں بدل دے گی

☆ ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

آخری جنگ

مصنف: ابو یحییٰ
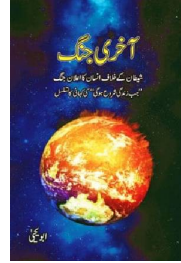
''جب زندگی شروع ہوگی'' سے شروع ہوئی کہانی کا تیسرا حصہ

☆ جب زندگی شروع ہوگی کی کہانی کا دلچسپ تسلسل

☆ شیطان اور انسان کی ازلی جنگ کا آخری معرکہ

☆ شیطانی طاقتوں کے طریقہ واردات کا دلچسپ بیان

☆ شیطان کے حملوں کو ناکام بنانے کے موثر طریقے

☆ مسلمانوں کے عروج کا وہ راستہ جو قرآن مجید بتاتا ہے

☆ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیابی کا حقیقی راستہ

☆ تاریخ کے وہ اسباق جو مسلمان بھول چکے ہیں

☆ یہ سب کچھ عبداللہ اور ناعمہ کی داستان کی شکل میں پڑھیے

خدا بول رہا ہے

مصنف: ابو یحییٰ
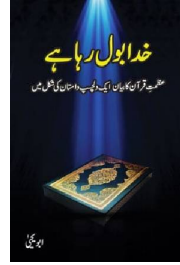
''جب زندگی شروع ہوگی'' سے شروع ہوئی کہانی کا چوتھا حصہ

- ☆ ''جب زندگی شروع ہوگی'' کی کہانی کا ایک نیا پہلو
- ☆ جنت میں عبداللہ کی اپنے والدین سے ملاقات کی روداد
- ☆ عظمتِ قرآن کا بیان، ایک منفرد ناول کی شکل میں
- ☆ ایک باوفا شخص کے اوراقِ حیات جس کی دنیا لٹ گئی تھی
- ☆ ایک نوعمر لڑکی کی داستان جو دنیا کو اپنی جنت بنانا چاہتی تھی
- ☆ قرآن کی تاثیر کا بیان جس نے ان دونوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں
- ☆ قرآن کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھانے کا انوکھا انداز
- ☆ وہ کہانی جس کا اختتام جانتے ہوئے بھی آپ اسے ختم کیے بنا نہیں رہ سکتے
- ☆ ایک اچھوتے اور منفرد انداز میں قرآن مجید کا تعارف

قرآن کا مطلوب انسان

مصنف: ابو یحییٰ

☆ قرآن مجید پر مبنی اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام

☆ اللہ تعالیٰ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں

☆ وہ کن لوگوں کو جنت عطا کریں گے

☆ کون سے اعمال انہیں ناراض کر دیتے ہیں

☆ ان کی پسند اور ناپسند کا راستہ کیا ہے

☆ اللہ تعالیٰ کی مرضی ان کے اپنے الفاظ میں جاننے کا منفرد ذریعہ

☆ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین اخلاق نبوی کا قرآنی نمونہ

☆ ابو یحییٰ کی ایک منفرد تصنیف

تیسری روشنی

مصنف: ابو یحییٰ
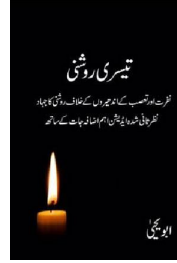
☆ ابو یحییٰ کی داستان حیات۔ تلاش حق کی سچی کہانی

☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب

☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان

☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف

☆ ابو یحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

بس یہی دل

مصنف: ابو یحییٰ
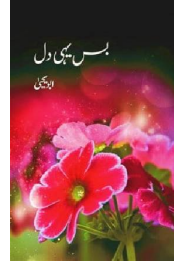
☆ دل کو چھو لینے والے مضامین

☆ ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

☆ آنکھوں کو نم کر دینے والے الفاظ

☆ ابو یحییٰ کے قلم سے نکلے ہوئے وہ مضامین جو ایمان و اخلاق کی اسلامی دعوت کا بھرپور اور موثر بیان ہیں۔

☆ دلنشین اسلوب میں لکھی گئی ایسی تحریریں جنھیں پڑھ کر آپ دل کے دروازے پر ایمان کی دستک سن سکیں گے۔

حدیثِ دل

مصنف: ابو یحییٰ
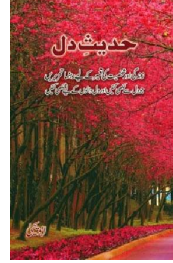
مجموعہ مضامین جس میں آپ پائیں گے اپنی

- ☆ شخصیت کی تعمیر
- ☆ اخلاق کی اصلاح
- ☆ ایمان کی تازگی
- ☆ اقدار کی زندگی اور
- ☆ افکار کی تشکیل نو
- ☆ ہمیشہ کی طرح ابو یحییٰ کے الفاظ کی دستک آپ اپنے دل کے دروازے پر محسوس کریں گے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ

مصنف: ابو یحییٰ
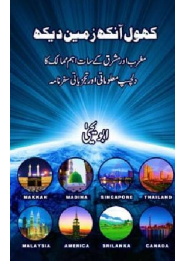
☆ مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

☆ کینیڈا، امریکہ کی زندگی کا تفصیلی جائزہ

☆ مکہ، مدینہ کی مقدس سرزمین اور سعودی عرب کا احوال

☆ سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشا اور سنگاپور کی زندگی کا نقشہ

☆ مغرب اور مشرق کے ممالک کا تقابل اور اسلام کی علمی برتری کا بیان

☆ مغربی تہذیب کی کمزوریوں نظام کی خوبیوں کا بے لاگ جائزہ

☆ سات ممالک کے اہم قابل دید مقامات کی دلچسپ منظر کشی

☆ سفرنامے کے اسلوب میں لکھی گئی ایک اہم فکری کتاب

سیر ناتمام

مصنف: ابویحییٰ
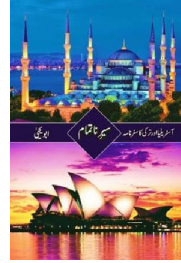
☆ آسٹریلیا کی نئی دنیا کے تمام اہم شہروں کے دعوتی سفر کی روداد

☆ مغرب اور مشرق کے سنگم ترکی کا آنکھوں دیکھا حال

☆ جدید اور قدیم دنیا کے تفریحی مقامات کی دلچسپ سیر

☆ سترہ صدیوں تک دنیا کا مرکز رہنے والے استنبول کی کہانی

☆ احوال سفر کے دلچسپ مشاہدات، معلومات اور نئی چیزوں کا تعارف

☆ ابویحییٰ کے دلچسپ اور پرمغز تجزیے، تنقید اور تبصرے

☆ ہر قدم پر تاریخ کے اسباق اور جدید و قدیم دنیا کا تعارف

☆ آپ کے وژن اور طرز فکر کو نیا انداز عطا کرنے والی کتاب

☆ ایک داستان سفر جو سفر سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے

ملاقات

مصنف: ابو یحییٰ
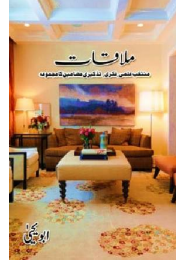
☆ اہم علمی، اصلاحی اور اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

☆ کریم اور رحیم کا خطاب پانے والے انبیا کی دلنواز سیرت کا بیان

☆ دین کی حقانیت اور دعوت دین کے اہم پہلوؤں کی وضاحت

☆ قیامت اور قرب قیامت کے اہم احوال کی تفصیل

☆ اہم معاشرتی اور خاندانی مسائل کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ لونڈیوں سے تعلقات کے ضمن میں اسلام کے موقف کی وضاحت

☆ مسائل زندگی کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ ہم جنسی تعلقات اور ارتقا جیسی عملی اور فکری گمراہیوں کی موثر تردید

When Life Begins

English Translation of Abu Yahya's Famous book **Jab Zindagi Shuru Ho Gee**
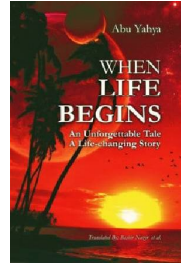
A Book that created ripples through out the world

A Writing that was read by Millions

A Book that changed many Lives

A Writing that has become a Movement

A Comprehensive sketch of the World and Life in Hereafter in the form of an interesting Novel

A Book that will strengthen your Faith in God and Hereafter

The first book of its kind in the world of Literature